شمارہ: 12
مئی
۲۰۱۲ء

ماہ نامہ ماہِ نور دہلی

جلد: 7
جمادی الثانی
۱۴۳۳ھ

نوٹ: رسالے کے مستقل قارئین اس جانب ضرور توجہ دیں کہ اگر ان کی ممبری فیس ختم ہوگئی ہو تو ادارہ کو جلد از جلد بذریعہ منی آرڈر روانہ کردیں تاکہ ان کی ممبری بحال رہے۔

مراسلت و ترسیل زر کا پتہ

MAAH-E-NOOR Monthly
419, Urdu Bazar, Matia Mahal,
Jama Masjid, Delhi - 110006

ماہ نامہ ماہِ نور
419، اُردو بازار، جامع مسجد، دہلی-110006

E-mail:mahenoormonthly@gmail.com, Website : www.abulghaus.com

Printer, Publisher & Owner
SYED ABUL HASAN

Published at:
2229, Star Offset Printing Press
Ahata Hajjan Bi, Rodgran, Delhi-6

Published from:
419, Urdu Bazar, Matia Mahal,
Jama Masjid, Delhi - 110006

قیمت فی شمارہ	:	12 روپے
قیمت سالانہ	:	150 روپے
بیرونِ ممالک	:	20 ڈالر
لائف ٹائم ممبرشپ	:	5000 روپے
// // بیرون ممالک	:	300 ڈالر

فہرست مضامین

خصوصی موضوع: اسرائیل-ایران تنازع: مضمرات وحقائق

نوشاد عالم چشتی (علیگ)

قومی اقلیتی کمیشن کے چیئرمین کے اختیارات سلب کرنا افسوسناک

ہندوستانی اقلیتیں مجموعی اعتبار سے اور مسلم اقلیت انفرادی طور سے اقتصادی اور تعلیمی سطح پر انتہائی پس ماندہ ہے۔حکومت ہند کی تشکیل شدہ سچر کمیٹی نے اس حقیقت کا اعترافی اعلان کیا ہے جس کی گواہ آج حکومت ہند بھی ہے اور سبھی سیاسی جماعتیں بھی۔اور سب کا یہ متفقہ فیصلہ ہے کہ مسلمانوں کی اس پس ماندگی کو دور کرنے کے لیے تعلیم سے بڑا کوئی ہتھیار نہیں۔جب کہ آج تعلیم اتنی مہنگی ہو چکی ہے کہ تعلیمی طور پر پس ماندہ قوم اور نسل کی ترقی کے لیے پہلے اسے معاشی طور پر مستحکم بنانا لازمی ہے جس کا ایک اہم ذریعہ ہے تعلیمی میدان میں محتاط و مناسب ریزرویشن اور خصوصی تحفظ۔تاکہ ہندوستان کی پس ماندہ قوم مسلمانوں کو اگر تعلیمی میدان اور سرکاری ملازمتوں میں ریزرویشن پر توجہ دے دی جائے تو بڑی حد تک اُن کی معاشی بہتری کے بعد اُن کی تعلیمی پس ماندگی دور کی جاسکتی ہے۔

اسی سوچ اور ہمہ جہت نظریۂ ترقی کے تحت ہندوستان کے سیکولر مزاج دانشوروں کا آزادی کے بعد سے ہی یہ مطالبہ رہا ہے کہ مسلمانوں کو روزگار، تجارت اور تعلیم کے شعبوں میں ترجیحی مراعات دی جائیں اور سرکاری ملازمتوں میں آبادی کے تناسب کا خیال رکھتے ہوئے خصوصی ملازمت کا تحفظ فراہم کیا جائے، ساتھ ہی وہ تعلیمی ادارے اور قومی جامعات جنھیں خود مسلمانوں نے اپنے ذاتی تعاون سے قائم کیا ہے، اُن کو اقلیتی کردار کا درجہ منظور کرتے ہوئے قومی اقلیتی ادارہ تسلیم کیا جائے پھر مسلم طلبہ و طالبات کے لیے داخلہ جاتی مرحلے میں خصوصی نمائندگی کا کوٹہ متعین اور منظور کیا جائے۔

حکومت ہند کی طرف سے تشکیل شدہ قومی تفتیشی کمیٹی ''عزیز پاشا'' نے اپنی رپورٹ میں بھی اس کی وکالت کی ہے جس کے پیش نظر 22 فروری 2011ء کو قومی اقلیتی کمیشن برائے تعلیمی ادارہ کی تین رکنی بنچ نے جامعہ ملیہ اسلامیہ نئی دہلی کو قومی اقلیتی تعلیمی ادارہ کی حیثیت سے منظور کرنے کا اعلان کیا اور قانونی طور سے قومی اقلیتی ادارہ قرار دیا۔اس تاریخی فیصلہ کی وجہ سے مسلمانوں کا دیرینہ مطالبہ پورا ہوا جس میں قومی اقلیتی کمیشن کے چیئرمین جسٹس سہیل اعجاز صدیقی صاحب نے اہم کردار ادا کیا۔ان کے کردار و عمل کی بدولت جامعہ کے اقلیتی کردار کی بحالی کے 22/فروری 2012ء کو ایک سال مکمل ہو چکے ہیں۔اس کے بعد جامعہ میں مسلم طلبہ کی صورتِ حال پر گفتگو ایک مستقل موضوع ہے لیکن زیر نظر جو موضوع ہے، وہ بہت ہی حساس اور حسرت ناک ہے جس کی تفصیل یہ ہے۔

جامعہ ملیہ اسلامیہ کے اقلیتی کردار کی بحالی کے بعد سے ہی اقلیتی تعلیمی ادارہ جات کے تعلق سے تعصب پرست حضرات کے ذہن و فکر میں یہ مسئلہ ایک فرقہ وارانہ مسئلہ کی شکل میں پروان چڑھتا رہا ہے اور اُن کی آنکھوں میں خار بن کر چبھتا رہا ہے جس کے نتیجے میں 23 فروری 2012ء کو ٹھیک ایک سال ایک دن بعد قومی وزارت برائے فروغِ انسانی وسائل نے ایک حکم نامہ جاری کرکے جسٹس سہیل اعجاز صدیقی کے انتظامی اور مالی اختیارات سلب کرلیا۔اب وہ بے دست و پا ہیں اور معزول نہ ہونے کے باوجود سابق چیئرمین ہو چکے ہیں، اس لیے اب وہ کسی کی تقرری، ترقی، معطّلی، کسی شکایت پر کارروائی، انکوائری اور سفارش کا حق استعمال نہیں کرسکتے جو چیئرمین کو اختیار کمیشن ایکٹ 2005ء کے تحت حاصل تھے۔اب یہ اختیارات کمیشن کے نوزائیدہ منصب دار رجسٹرار جناب راج سنگھ کو حاصل ہیں۔23 فروری کو یہ کارروائی حکومت ہند کے جوائنٹ سکریٹری جناب امت کھرے کے دستخط سے قومی وزارت برائے فروغ انسانی وسائل کے نوٹیفکیشن کے تحت مکمل ہوئی۔

سالِ گزشتہ فروری میں جامعہ ملیہ اسلامیہ کا اقلیتی درجہ بحال کیے جانے کے بعد جسٹس سہیل اعجاز صدیقی کو جس قانونی عتاب کا نشانہ بنایا گیا اسی کو بنیاد بنا کر بہت سی مسلم تنظیمیں حکومت ہند سے مستقل مطالبہ کر رہی ہیں کہ صدیقی صاحب کی چیئرمین شپ ان کے قانونی اختیارات کے ساتھ بحال کی جائے۔اس سلسلے میں اقلیتی تعلیمی ادارہ کی حیثیت سے جامعہ کی منظوری کے بعد اس تاریخی فیصلہ کو برسر اقتدار جماعت کانگریس کے لیڈر پی، ایل پونیا

نے ہائی کورٹ میں چیلنج کیا تھا لیکن عدالت نے ان کی درخواست کو کسی تبصرہ کے بغیر مسترد کر دیا۔ اس کے بعد صورتِ حال یہ ہو گئی کہ کانگریس کی منافقت کی وجہ سے نہ صرف یہ کہ چیئرمین بلکہ کمیشن کے تمام اہل کاروں کی تنخواہیں روک دی گئیں اور تین ماہ تک کسی کو تنخواہ نہیں ملی۔

اس واقعہ سے ظاہر ہے کہ درپردہ ہر فیصلے اور اقدام کے پیچھے کانگریس کی منافقت کام کر رہی ہے ورنہ کیا وجہ ہے کہ کمیشن کے قیام کے بعد اب تک کبھی بھی کمیشن کے ساتھ ایسا رویہ نہیں برتا گیا۔ یہ صرف جسٹس سہیل اعجاز صدیقی کی جامعہ کے تعلق سے اقلیتی کردار کی بحالی میں دلچسپی لینے اور پی، ایل پونیا کی درخواست کے عدالت سے مسترد کیے جانے کے بعد منافقانہ سازش کے تحت دانستہ کیا جا رہا ہے اور اب تک چیئرمین کے اختیارات بحال نہیں کیے گئے۔ اس سے کپل سبل صاحب کی بھی اقلیتی مخالفانہ روش کی جھلک سامنے آتی ہے جو یقینی طور پر آئندہ انتخابات میں کانگریس کی کارکردگی پر اثر ڈالے گا۔

اس سلسلے میں جب کمیشن کے چیئرمین جسٹس سہیل اعجاز صدیقی کی قیادت میں 28 مسلم ممبرانِ پارلیمنٹ نے وزیر اعظم ڈاکٹر منموہن سنگھ سے ملاقات کر کے اپنی برہمی کا اظہار کیا تو کمیشن کے اہلکاروں کو تنخواہ ادا کی گئی، لیکن جانب دارانہ رویے کا یہ سلسلہ یہیں ختم نہیں ہوا بلکہ اس سے پہلے یکم مئی 2011ء کو حکومت ہند نے قومی اقلیتی کمیشن میں ایک نئی آسامی اور عہدہ رجسٹرار کا پیدا کیا جس پر راج سنگھ نامی ایک گمنام آفیسر کو متعین کر دیا گیا۔ راج سنگھ نے آتے ہی کمیشن کے کام کاج میں بے جا مداخلت شروع کر دی اور کھلے عام زبانی اور عملی طور پر چیئرمین کی حکم عدولی کرنے لگے۔ تعصب پرستی کی حد تب ہو گئی جب راج سنگھ نے چیئرمین کے ساتھ غیر مہذب زبان کا استعمال کیا اور بھونڈے الفاظ استعمال کیے۔ جب کہ چیئرمین محض ایک چیئرمین نہیں بلکہ عدالت عظمیٰ کے ایک ایماندار، وفادار جج رہ چکے ہیں۔ اس طرح راج سنگھ کی حرکت بجائے خود ایک قانونی جرم ہے جس پر مستقل کارروائی ہونی چاہیے تھی لیکن چونکہ اسے اس کی نشان دہی کر کے مقرر کیا گیا ہے تو ظاہر ہے وہ اپنے منصب کے ساتھ وفاداری یقیناً کرے گا۔

کمیشن کے نو منتخب اور ایک نو زائیدہ عہدے کے منصب دار راج سنگھ رجسٹرار کی حرکتوں کا سلسلہ جب حد سے بڑھ گیا اور پانی سر سے اونچا ہونے لگا تو کمیشن کے چیئرمین جسٹس سہیل اعجاز صدیقی، اس کے ایک ممبر ڈاکٹر مہیندر سنگھ اور ڈاکٹر پی، سی تھامس نے 19 جولائی 2011ء کو وزیر اعظم ڈاکٹر منموہن سنگھ اور فروغِ انسانی وسائل کے قومی وزیر جناب کپل سبل صاحب کو خط لکھ کر راج سنگھ کی شکایت کی اور اس کی حرکتوں کی تفصیلات پیش کرتے ہوئے اسے فوری ہٹانے کا مطالبہ کیا گیا، لیکن اس سلسلے میں کارروائی نہ کرتے ہوئے راج سنگھ کو مزید ڈھیل دی گئی، پھر 23 فروری 2012ء کو جسٹس سہیل اعجاز صدیقی کے تمام انتظامی اور مالی اختیارات سلب کر کے اسی راج سنگھ کو سونپ دیے گئے۔

ان تمام تفصیلات اور جانب دارانہ کارروائیوں کے بعد کیا اس سوچ کو تقویت نہیں ملتی کہ قومی اقلیتی کمیشن کو جامعہ ملیہ اسلامیہ کے اقلیتی درجہ دینے کی سزا دی جا رہی ہے اور جسٹس صدیقی صاحب کو اس میں دلچسپی لینے کی وجہ سے منافقانہ عتاب کا شکار بنایا گیا ہے۔ جب کہ اس سے پہلے کمیشن کے ساتھ ایسا سلوک کبھی پڑھنے میں نہیں آیا۔ اس سے ظاہر ہے کہ کانگریس اپنی منافقانہ روایت کے مطابق خالص اقلیتی مفادات کے لیے تشکیل شدہ کمیشن کے چیئرمین کے اختیارات سلب کر کے اقلیتی کمیشن کی شہ رگ کو کاٹ دینا چاہتی ہے، جو کانگریس کی انتہائی متعصّبانہ اور منافقانہ روش کی جیتی جاگتی مثال ہے۔

آئین ہند کی رو سے کیا یہ جائز ہے کہ جس کمیشن کو اقلیتوں کے تعلیمی اداروں کی فلاح و بہبود کے لیے قائم کیا گیا اس کو محض اس جرم میں معتوب قرار دیا جائے کہ اس نے جامعہ ملیہ اسلامیہ کو اقلیتی ادارہ قرار دیتے ہوئے قانونی طور سے اس کے اقلیتی کردار کی بحالی کی ہے۔ سچائی یہ ہے کہ 'نیشنل کمیشن فار مائنارٹی ایجوکیشن انسٹی ٹیوشن' کے اس تاریخی فیصلے کے بعد حکومت ہند کے حوالے سے مسلمانوں کا اعتماد بحال ہونے لگا تھا اور کافی حد تک کانگریس سے ان کے گلے شکوے دور ہونے لگے تھے اور مزید دور ہونے کے امکانات پیدا ہو گئے تھے، ساتھ ہی مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے اقلیتی کردار کی بحالی کی امید جاگی تھی کہ اچانک حکومت ہند نے اپنے اس عمل سے ان سب پر پانی پھیر دیا۔ یہ صورتِ حال جہاں ہمارے ملک کے لیے نقصان دہ ہے وہیں کانگریس کے لیے ایک تاریک مستقبل کا پیش خیمہ ہے جس کا احساس کانگریس کو ابھی شاید نہ ہو لیکن 2014ء کے قومی انتخابات کے بعد ضرور ہو جائے گا۔

چونکہ جسٹس سہیل اعجاز صدیقی کے تمام اختیارات سلب کرنے کا یہ معاملہ قومی انسانی وسائل کی وزارت کے تحت ہوا ہے اسی لیے اکثر مسلم دانشوروں نے بار بار یہ مطالبہ کیا ہے کہ اقلیتی کمیشن کو فروغ انسانی وسائل کی وزارت سے متعلق کرنا درست نہیں ہوگا، لیکن اس پر توجہ نہیں دی گئی۔ اور قانونی مطالبہ مستقل جاری نہیں رکھا گیا جس کے نتیجے میں کمیشن کے ساتھ یہ سلوک کیا جا رہا ہے۔ اگر کمیشن کو پہلے ہی اس وزارت سے الگ کر کے مستقل کر دیا گیا ہوتا تو شاید آج یہ دن دیکھنا نہیں پڑتا۔ اب جب کہ مسلم دانشوروں کا خدشہ ظاہر ہو گیا ہے تو ہمیں چاہیے کہ اس کمیشن کو اقلیتی امور کی قومی وزارت سے جوڑنے کا مطالبہ کریں تا کہ یہ اقلیتی کمیشن اقلیتی وزارت سے متعلق ہو کر آزادانہ کام کرنے کی پوزیشن میں ہو جائے۔

اس پس منظر میں یہ حقیقت بھی کھل کر سامنے آ گئی کہ کانگریس پارٹی جہاں ایک طرف اپنی اقلیت دوستی کا اعلان کرتی ہے اور مسلمانوں کی ہمدردی کا راگ الاپتی ہے وہیں دوسری طرف مسلمانوں کے اپنے مالی تعاون سے قائم کیے گئے تعلیمی اداروں کی اقلیتی صورتِ حال کو دیکھنا نہیں چاہ رہی ہے، ورنہ آئے دن اقلیت مخالف کارروائیاں کرنے میں وہ بے باک نظر نہیں آتی۔

یہ فطری بات ہے کہ ہندوستان کا آئین اپنے تمام شہریوں کو مساوی حقوق کا تحفظ فراہم کرتا ہے، اور سب کے حقوق اور فرائض کی تعیین جانب داریت اور عصبیت کے باوجود ہندوستانی انتظامیہ کے افسران اور عدالت کے جج صاحبان آئین ہند کے ان اصولی مراعات کے تحفظ کا خیال رکھتے ہیں لیکن مسلم آفیسران میں جو جذبہ نظر آتا ہے وہ شاید غیر مسلم افسران میں دیکھا جا سکے۔ اس کی بہت سی مثالیں آزادی کے بعد سے اب تک دیکھی جا سکتی ہیں۔ عدالتی نظام کے بعد سب سے بڑا ذمہ دار محکمہ الیکشن کمیشن کا ہے۔ اس کے موجودہ چیئرمین جناب ایس وائی قریشی کی قائدانہ صلاحیت کا اعتراف حکومت بھی کر چکی ہے۔ ان کے کردار و عمل، ایمانداری، محنت اور فعالیت کو دیکھتے ہوئے قومی سطح کے بہت سے سیاسی لیڈروں نے انھیں دوبارہ اس منصب پر بحال کیے جانے کی وکالت کی ہے۔ سیاسی لیڈران کا یہ فیصلہ محض جذباتی نہیں بلکہ مبنی برحقیقت ہے کیونکہ قومی اخبارات میں جب الیکشن کمیشن کے اختیارات میں اضافہ کرنے اور بدخواہ سیاست دانوں کی طرف سے الیکشن کمیشن کے چیئرمین کے اختیارات میں کمی کرنے کا مطالبہ شروع ہوا تھا تو ایس وائی قریشی نے اپنے وضاحتی بیان میں صاف کر دیا تھا کہ الیکشن کمیشن کے اختیارات میں اضافہ کرنے کی کوئی ضرورت نہیں، بس اس کے چیئرمین کے اندر اپنے منصب کے تعلق سے وفاداری، جذباتی دلچسپی اور قومی فعالیت کو ذاتی اور جماعتی مفادات سے ہمیشہ بلند رکھنے کا جذبہ ہونا چاہیے اور بدخواہوں کے تعلق سے یہ صفائی پیش کی تھی کہ انتخابات میں وہی لوگ بدحواس ہوتے ہیں اور کمیشن کے چیئرمین کے اختیارات پر انگلی اُٹھاتے ہیں جن کے اندر قانونی لحاظ سے بہت سی پیچیدگیاں ہوتی ہیں اور جن پر بدعنوانی کے بہت سے الزامات لگے ہوتے ہیں۔ لیکن ہمیں امید ہے کہ آئین ہند اور ہندوستان کی عدالت ان کے مطالبات پر ہرگز توجہ نہیں دے گی۔ اس لیے کہ ملکی مفادات کے محافظ بدعنوان نہیں ہوتے بلکہ عدالت اور انتظامیہ کے ایماندار آفیسر ہوتے ہیں۔

جناب ایس وائی قریشی کے ان جذبات اور صاف گوئی سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ کسی بھی محکمے اور شعبے میں مسلم افسران اپنی بہتر کارکردگی کا مظاہرہ کر سکتے ہیں اور ملک کی تعمیر و ترقی میں نمایاں کردار ادا کر سکتے ہیں لیکن حقیقت حال سے واقف ہوتے ہوئے بھی ہماری حکومتیں مسلم آفیسران کی تقرری نہیں کرتی، یہ اپنے آپ میں لمحہ فکریہ ہے۔

اخیر یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ جناب جسٹس سہیل اعجاز صدیقی کی اقلیتوں کے تعلق سے مخلصانہ خدمات کا یہ پہلو بھی نظر میں رکھے جانے کے لائق ہے کہ ان کے رویے اور ان کی ایماندارانہ خدمت سے مسلمانوں کے ساتھ ہندوستان کی دیگر اقلیتیں (سکھ، عیسائی، پارسی، بدھشٹ وغیرہ) بھی پورے طور سے مطمئن ہیں اور ان کے کام کو پسندیدگی نگاہ سے دیکھتی ہیں، اس لیے حکومت کو چاہیے کہ وہ اب بھی اپنی منافقانہ رویے سے باہر آئے اور اقلیتوں کے حوالے سے مخلص و فعال خدمت گزار شخصیت کے اختیارات کو دوبارہ پورے طور سے بحال کرے، تا کہ مسلمانوں اور دیگر اقلیتوں میں حکومت کی جانب سے جو بے اطمینانی آ چکی ہے اور جس کا کچھ خمیازہ حالیہ یو پی الیکشن میں بھی اٹھانا پڑا ہے اس کا سد باب ہو سکے اور حکومت کے تعلق سے اقلیتوں کا اعتماد بحال ہو سکے۔ یہ ملک کی تعمیر و ترقی کے لیے ایک ناگزیر عمل ہے۔

ای میل: naushadchishti@yahoo.com، موبائل: +919412562751

منظومات

نعت مقدس

آپ جب آئے تو کونین کی تکمیل ہوئی
پاک قرآن کے انوار کی تنزیل ہوئی
ذکرِ احمد نے صحیفوں کے سجائے اوراق
شانِ توریت بڑھی حرمتِ انجیل ہوئی
صاحبِ وحی منزّل کے قریں خلوت میں
جب ہوا حکمِ خدا آمدِ جبریل ہوئی
حق کو اعزاز ملا عظمتِ ایماں بھی بڑھی
باطل و کفر کی ظلمات کی تذلیل ہوئی
ہر مکاں اور زماں نور سے سرشار ہوا
ضوفشاں آپ کے کردار کی قندیل ہوئی
پاک صورت کی کبھی کوئی بھی تشبیہ نہیں
صاف سیرت کی کوئی پیدا نہ تمثیل ہوئی
نگہِ لطف و کرم اُن کی پڑی جس پر
اس کی توقیر تو اِک آن میں تبدیل ہوئی
رات یادِ شہِ طیبہ میں جلائیں آنکھیں
شمع جب دل کی جلی عشق کی قندیل ہوئی
ایک ادنیٰ سا غلامِ شہِ کونین ہوں میں
میرے اعزاز و تعارف کی یہ تفصیل ہوئی
کردیا فکر مضامینِ ثنائے بیکلؔ
نعت پاک شہ دیں زیست کی تخئیل ہوئی

خسرِوعزیز **بیکل اتساھی**، بلرام پور (یوپی)

نعت شریف

وہ جن کے حسنِ صفات کو برتری ملی ہے
خدا کے فضل و کرم سے ان کی گلی ملی ہے

جو اہلِ دانش ہیں جانتے ہیں کہ ہر کسی کو
درِ سراجِ منیر سے روشنی ملی ہے

یہ ہم کو اب جو دِکھائی دینے لگی ہے منزل
حضور کے نقشِ پا سے ہی آگہی ملی ہے

مٹا کے ظلمت ، سنوارتی ہے جو عاقبت بھی
زمیں کو ماہِ عرب سے وہ چاندنی ملی ہے

عجب ہے فیضانِ آبجوئے شہِ مدینہ
ہوئے ہیں وہ سرخرو جنھیں تشنگی ملی ہے

مجھے بھی لگنے لگا ہے اب تو کہ جی رہا ہوں
حضور کے ذکر سے مجھے زندگی ملی ہے

انھیں کی آمد سے ہے بہاروں کی گونج راحتؔ
انھیں کے آنے سے غمزدوں کو خوشی ملی ہے

راحتؔ حسن

پریم نشان، دودھ پور، علی گڑھ-202002

محمد مبین احمد قادری مصباحی ☆

بیٹیوں کا وراثت میں حصہ اور نہ دینے کی وعیدیں

آج مسلم معاشرہ جس قدر بے عملی اور بے راہ روی کا شکار ہے ارباب عقل و خرد سے پوشیدہ نہیں۔ دل سے لے کر دماغ تک حق تلفی کا جنون سوار ہے، اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہمدردی و غمخواری کا جو درس دیا اسے پس پشت ڈال دیا ہے۔ قرآن و حدیث کے احکام کو بالائے طاق رکھ دیا ہے اور مغربی تہذیب و تمدن کا لبادہ اوڑھنے پر فخر محسوس کیا جا رہا ہے۔ ایک انسان دوسرے انسان کا حق بے دریغ کھاتا ہے، حتیٰ کہ ایک بھائی دوسرے بھائی کا حق کھانے اور بہن کا حق دبانے میں کسی طرح کی شرم محسوس نہیں کرتا۔ انھیں سلگتے ہوئے مسائل میں سے وراثت کا بھی مسئلہ ہے جس کی ادائیگی کے تئیں عوام تو عوام خواص بھی غیر سنجیدہ ہوتے جا رہے ہیں۔ مال و متاع اور مادّیت کی آندھی نے مسلمانوں کو احکام شرعیہ کے راستہ سے برگشتہ کر دیا ہے، انھیں کے پیشِ نظر اس مضمون میں میراث کی اہمیت اور ادائیگی نہ کرنے کی صورت میں انجام کار قرآن و حدیث کی روشنی میں پیش کیا جا رہا ہے۔

میراث کی اہمیت:

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ فِيْٓ اَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ۔ اللہ تعالیٰ تمھیں اولاد کے بارے میں یہ حکم دیتا ہے کہ بیٹے کو بیٹیوں کا دوگنا حصہ ملے گا۔

اس آیت کریمہ میں اللہ نے بیٹے کو دو حصہ اور بیٹی کو ایک حصہ دینے کا حکم صادر فرمایا۔ بلاشبہ ترکہ کی تقسیم ایک اجتماعی و معاشرتی مسئلہ ہے جس کا حکم اللہ نے بیان فرمایا اور یقیناً اسلام میں عادلانہ تقسیم پر معاشرہ کی صلاح و فلاح، کامیابی و کامرانی کا دار و مدار ہے کیونکہ اسلام ایسا ابر کرم ہے جس کی پھواریں ہر امیر و غریب کو پہنچ کر تر کرتی ہیں اور اس کے سایۂ کرم میں ہر انسان کا دلِ مضمحل راحت و سکون کی سانس لیتا ہے اسی لیے اللہ نے خود وراثت کی تقسیم فرما دی اور کسی انسان کے سپرد نہ کیا ورنہ ممکن ہے کہ حق دار کو حق ادا نہ کیا جاتا، چونکہ یہ فرمانِ الٰہی ہے کہ ترکہ وارثین کو دو، جس کا نہ دینا حکم الٰہی کی مخالفت کرنا ہے جو یقیناً اللہ کی ناراضگی کا سبب ہے۔

دوسری جگہ اللہ ربّ العزت ارشاد فرماتا ہے: ''اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا.'' (سورہ نساء، آیت 57) بیشک اللہ تمھیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں جن کی ہیں انھیں سپرد کرو۔

اس آیت کریمہ میں بھی اللہ تعالیٰ نے امانت ادا کرنے کا حکم فرمایا۔ اب آیا فرائض اور حصے جو وراثت میں مقرر ہیں وہ اس آیت میں داخل ہیں یا نہیں۔

حدیث و قرآن میں ہر وارثین کا حق تفصیلاً مذکور ہے، اس کی مخالفت کرنا دنیا و آخرت کو برباد کرنا ہے نیز حدیث پاک میں بھی سرکار علیہ السلام نے اس بات کی تاکید فرمائی:

''عن ابی ھریرۃ عن النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال: انا اولیٰ بالمؤمنین من انفسھم فمن مات وعلیہ دین ولم یترک وفاء فعلیٰ قضائہ و من ترک مالاً فلورثتہ.'' (مشکوٰۃ المصابیح، ص263)

حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میں مومنوں سے ان کی جان سے بھی زیادہ قریب ہوں جو اس حال میں مرے کہ اس پر قرض ہے اور جائداد نہیں چھوڑا تو اس کی ادائیگی میرے ذمہ پر ہے اور جس نے مال چھوڑا تو وہ مال اس کے وارثین کے لیے ہے۔

اُمتوں کے غمخوار نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے کو مؤمنین کا قریبی بتایا اور مورث کے مال نہ چھوڑنے کی صورت میں قرض کی ادائیگی اپنے ذمہ لے لی اور مال چھوڑنے کی صورت میں قرض کی ادائیگی کے بعد وارثین کے درمیان تقسیم کرنے کی تاکید فرمائی۔

عن ابن عباس قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم الحقوا الفرائض باھلھا فما بقی لاولی رجل مذکر متفق علیہ۔ (مشکوٰۃ المصابیح، ص263) حضرت عبد اللہ ابن عباس سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ حصے دار کو حصہ دے دو پھر جو مال بچ جائے وہ عصبہ کے لیے ہے۔''

میراث کی اہمیت کا اندازہ اس حدیث پاک سے بھی ہوتا ہے کہ بڑے تو بڑے جو بچہ پیدائش کے وقت روئے اور پھر انتقال کر جائے اس سے بھی دینے کی تاکید کی گئی۔

عن جابر قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم: اذا استھل الصبی صلی علیہ وورث. رواہ ابن ماجہ والدارمی. (مشکوٰۃ المصابیح، ص263) حضرت جابر سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جب بچہ پیدائش کے وقت آواز کرے تو اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی اور وارث بنایا جائے گا۔

اس دنیا میں کچھ ایسی قوم بھی آباد ہیں جن کے نزدیک باپ کی جائداد سے بیٹیوں کا کوئی حصہ نہیں۔ اس صنف نازک کے ساتھ یہ ظالمانہ رویہ اختیار کر کے زمانۂ جاہلیت کی یاد تازہ کرتے ہیں جو قبل اسلام ہوتا تھا کہ عورتوں کا اپنے شوہروں کی جائداد سے وراثت پانا تو دُور کی بات شوہروں کی زندگی ختم ہوتے ہی مال کی طرح تقسیم ہو جایا کرتی تھی اور لڑکیاں کاسۂ گدائی لے کر در بدر کی

☆ خادم دار العلوم فیضانِ اشرف، باسنی، ناگور (راجستھان)

ٹھوکریں کھاتی تھیں لیکن جب نیرِ اسلام فاران کی چوٹی سے نمودار ہوا اور اس کی ضیا پاش کرنوں نے پوری کائنات کو جگمگا دیا تو جہاں دنیا کا ہر ذرّہ مہر تاباں بنا وہیں ہر روتی اور بلکتی عورت کے زخموں کا مداوا بھی ہوا، بیواؤں کی زندگی میں تازگی آ گئی اور گلی کوچوں میں پھرنے والی عورتیں قصرِ شاہی کی زینت بن گئی۔

اب آیئے ذرا حدیث پاک کی روشنی میں دیکھتے ہیں کہ بیٹیوں کے بارے میں پیارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا ارشاد فرمایا۔ ایک لمبی حدیث ہے جس کا ترجمہ ملاحظہ کریں:

''حضرت جابر رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں کہ سعد بن ربیع کی بیوی سعد کی دو بیٹیاں لے کر سرکار کی بارگاہ میں تشریف لائیں اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! یہ دونوں سعد ابن ربیع کی بچیاں ہیں، ان کے والد جنگ اُحد میں جامِ شہادت نوش کر چکے ہیں اور ان کے چچا نے پورے مال پر قبضہ کر لیا ہے اور کچھ بھی مال نہیں چھوڑا اور بغیر مال کے ان کا نکاح بھی نہیں ہو سکتا۔ تو سرکار صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ اس کا فیصلہ فرمائے گا پھر آیت میراث نازل ہوئی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک قاصد کو ان کے چچا کے پاس بھیج کر یہ حکم صادر فرمایا کہ ان کی بیٹیوں کو دو تہائی حصہ دو اور ان کی ماں کو آٹھواں حصہ دو اور جو باقی بچ جائے خود لے لو۔ (مشکوۃ المصابیح، 264)

آیت کریمہ اور احادیث نبویہ سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ بندے کو اس میں من مانی کی کوئی گنجائش نہیں یہاں تک کہ علم فرائض کے سیکھنے کی تاکید فرمانا بھی اس کی اہمیت وافضلیت کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ پیارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں: **تعلّموا الفرائض وعلموها الناس فانه نصف العلم.** (ابن ماجہ، 7319، دارمی 1 ص 73)

علم فرائض سیکھو اور لوگوں کو سکھاؤ کیونکہ یہ نصف علم ہے۔

وراثت سے محرومی کیوں؟

سوال یہ ہے کہ عصر حاضر میں لڑکیوں کو وراثت سے محرومی کیوں ہے؟ ان آیات واحادیث کے ہوتے ہوئے قوم مسلم احکام خداوندی سے منہ کیوں موڑ رہی ہے؟ بچیوں کا حق کیوں چھینا جا رہا ہے؟ وہ والدین جو بڑی پریشانیوں سے بچیوں کی پرورش کرتے ہیں، بیمار ہونے پر والدین کی آنکھوں سے نیند اُڑ جاتی ہے اور بیماری سے چھٹکارا پانے کے لیے بے شمار روپے خرچ کر ڈالتے ہیں، لیکن جب اسی بچی کو حصہ دینے کی بات آتی ہے تو ہر ایک اس کا دشمن بن جاتا ہے۔ شاید یہ سوچ کر کہ ان کی پرورش میں ہم نے نخرے برداشت کیے اور بے تحاشہ روپے خرچ کر کے اس کی شادی کر دی لہٰذا وراثت کا حق ادا ہو گیا اب مزید دینے کی ضرورت نہیں، یہ ان کی خام خیالی ہے۔ ان چیزوں سے حق وراثت ختم نہیں ہوتا بلکہ وارث اپنا حق خود ساقط کرے تو بھی ساقط نہیں ہوتا، الاشباہ والنظائر میں ہے: ''**مــن قـــال تـركـت حـقـي لـم يبطل حقـه**'' جس نے کہا میں نے اپنا حق ترک کر دیا تو پھر بھی اس کا حق ختم نہ ہوگا بلکہ اس کو جبراً دیا جائے گا۔

شریعت کا حکم اور اخروی وبال:

اب آیئے ذرا شریعت کا حکم ملاحظہ کریں اور ادائیگی نہ کرنے کی صورت میں وبالِ آخرت کو اپنی نظروں کے سامنے رکھیں۔

حق میراث کے بارے میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ اپنی شہرۂ آفاق کتاب 'فتاویٰ رضویہ' میں تحریر فرماتے ہیں:

''حق میراث حکم شرع ہے کہ رب العالمین نے مقرر فرمایا کسی کے ساقط کرنے سے ساقط نہیں ہو سکتا۔'' **قال علمائنا کما في الاشباه و غيرها الارث جبری لايسقط بالاسقاط.** وجہ اس کی یہ ہے کہ بیٹا جس طرح اپنے بیٹے ہونے کو نہیں مٹا سکتا یوں ہی اپنے حق میراث کو نہیں ساقط کر سکتا۔ (فتاویٰ رضویہ، ج 9، ص 365)

جب اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے حصہ مقرر فرمایا ہے تو کسی کو حق نہیں کہ ساقط کر دے اگر کوئی میراث سے حق نہیں دے گا تو اللہ جنت سے اس کی میراث ختم کر دے گا۔

عن انس قال: قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه تعالیٰ علیه وسلم من قطع میراث وارثه قطع اللّٰه میراثه من الجنة یوم القیامة۔'' (مشکوۃ المصابیح، ص 266)

دوسری حدیث میں ہے: جس نے ایک بالشت زمین ناحق لے لی تو کل قیامت کے دن سات زمین کا طوق اس کے گلے میں ڈال دیا جائے گا۔ (مشکوۃ لمصابیح ص 254)

جب ایک بالشت زمین ناحق لینے کی صورت میں قیامت کے دن سات زمین کا طوق گلے میں ڈال دیا جائے گا تو جو ناحق پورا ترکہ ہی لے لے اور حق میراث ادا نہ کرے اس کا انجام کیا ہوگا۔

طبرانی کی حدیث ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو شخص دوسرے کا مال لے لے گا وہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سے کوڑھی ہو کر ملے گا۔ (بہارِ شریعت، حصہ 15/ص 23)

میراث سے محروم کرنے کے متعلق مفتیٔ اعظم ہند حضرت مولانا مصطفیٰ رضا قادری علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ: وہ ایسا گنہگار ہوا کہ بعض علما نے گناہِ کبیرہ تک فرمایا۔ حدیث پاک ''**مـن فـرمـن میـراث وراثـه قـطـع اللّٰه میراثه من الجنة یوم القیامة**'' کے تحت امام نووی تیسیر شرح جامع صغیر میں ارشاد فرماتے ہیں: ''**افــاده مـنــه ان حـرمــان الـوارث حـرام وعـده بعضهم من الکبائر.**'' (فتاویٰ مصطفویہ سوم، ص 160)

اور مفتی جلال الدین امجدی علیہ الرحمہ تحریر فرماتے ہیں کہ: اگر پورا حصہ نہیں دے گا تو سخت گنہگار، حق العبد میں گرفتار اور مستحق عذاب نار ہوگا۔ (فتاویٰ فیض الرسول ج 2، ص 728)

اللہ تعالیٰ ہم سب کو احکام شرعیہ پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین! ◻◻

محمد اقبال انجم اشرفی ☆

غیبت اور ٹوہ میں لگے رہنے کی مذمت

جاننا چاہیے کہ زبان اگر چہ ایک مضغۂ گوشت (گوشت کا ٹکڑا) ہے مگر خدائے تعالیٰ کی ایک بڑی نعمت ہے اور صنائع لطیفہ میں سے ہے۔ اس کا گناہ بھی سب سے زیادہ ہے اور طاعت بھی بڑھ کر۔ پھر کوئی چیز معدوم ہو یا موجود، خالق ہو یا مخلوق، معلوم ہو یا موہوم، خیالی ہو یا ظنی سب کی سب زبان پر آتی ہے اور ان کے نفی و اثبات میں تعرض کرتی ہے۔ مثلاً جس چیز پر علم حاوی ہوتا ہے اس کو زبان ہی سے بیان کرتے ہیں خواہ حق ہو یا باطل۔ اور علم سے کوئی چیز باہر نہیں اس لیے کہ زبان پر ہر طرح کی باتیں آسکتی ہیں اور یہ ایک ایسی خاصیت ہے کہ دوسرے کسی اعضا و جوارح میں نہیں پائی جاتی۔ مثلاً آنکھ رنگ کی چیزوں کے سوا کچھ نہیں دیکھ سکتی۔ کان آواز کے سوا کچھ نہیں سن سکتا اسی طرح تمام دیگر اعضا ہیں۔ مگر زبان کا میدان اتنا وسیع ہے کہ اس کے لیے کچھ حد اور انتہا نہیں جیسے خیر کے بولنے پر قادر ہے ویسے ہی شر کے بولنے پر قابو رکھتی ہے۔ پس جو کوئی اپنی زبان کو اختیار میں نہ رکھے نہ معلوم شیطان اس کو کس گڈھے میں ڈھکیلے گا۔ حدیث صحیح میں ہے:

ولا یکب الناس فی النار علی مناخرھم الا حصائد السنتھم ۔(ترجمہ) لوگ جہنم میں اپنے نتھنوں کے بل نہیں ڈالے جائیں گے مگر اپنی زبانوں کی غلط باتوں کی وجہ سے۔

ہاں زبان کی شرارت سے وہی بچے گا جو شروع سے اس کو لگام دیتا رہے گا اور منہ سے وہی بات نکالے گا جس میں آخرت کا نفع ہو اور جس بات کی ابتدا اور انتہا میں کچھ شک پائے گا اس کو زبان پر نہ لائے گا۔

اور اس بات کو معلوم کرنا کہ کس بات کا کہنا اچھا ہے اور کس بات کا کہنا بُرا ہے وہ بہت دقیق ہے اور اس کے اوپر عمل کرنا اور بھی زیادہ مشکل ہے۔ انسان کے حق میں سب اعضا سے زیادہ نافرمان زبان ہے۔ کیونکہ اس کے ہلانے میں ذرا بھی مشقت نہیں ہوتی یہاں تک کہ خلق اس کی آفات سے بچنے اور مضرات سے خوف کرنے میں سہل انگاری کرتی ہے۔ حالانکہ انسان کے بہکائے جانے والے مؤثر ہتھیاروں میں شیطان کا ایک ہتھیار زبان بھی ہے اور غور کرنے کی بات یہ ہے کہ زبان کی آفتوں میں سے سب سے بڑی آفت غیبت ہے۔ (احیاء العلوم، ج3،ص197)

غیبت کی تعریف:

غیبت کی تعریف یہ ہے کہ انسان کا ایسا قول و فعل ذکر کرنا کہ اگر وہ سنے تو بُرا جانے خواہ نقصانِ بدن کا ذکر ہو، یا نسب کا، یا خلق کا، یا کردار و گفتار کا، یا گھر اور سواری وغیرہ کا اگر چہ یہ سب کے سب مردہ کے متعلق کہی جائیں یا زندہ کے متعلق یا درند و پرند کے متعلق کی جائے یہ سب کی سب غیبت کہلاتی ہیں۔

غیبت کی مذمت شرعی دلائل سے:

اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنی مقدس کتاب قرآن مجید میں اس کی برائی کا ذکر فرمایا اور غیبت کرنے والے کو مردار کھانے والے سے تشبیہ دی جیسا کہ ارشاد ربانی ہے: وَلَایَغْتَبْ بَعْضُکُمْ بَعْضاً اَیُحِبُّ اَحَدُکُمْ اَنْ یَاکُلَ لَحْمَ اَخِیْہِ مَیْتاً فَکَرِھْتُمُوْہ۔

(ترجمہ) ایک دوسرے کی غیبت نہ کیا کرو کیا تم میں سے کوئی یہ بات پسند کرتا ہے کہ اپنے مردار بھائی کا گوشت کھائے پس اسے تم بُرا سمجھو۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

کل المسلم علی المسلم حرام دمه وماله وعرضه۔

(ترجمہ) ہر مسلمان کا دوسرے مسلمان پر اس کا خون، اس کا مال اور اس کی عزت حرام ہے۔ (احیاء العلوم، ج3،ص198)

اور 'عرض' میں غیبت بھی آ گئی مال اور خون کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ نے اس کو جمع فرما دیا۔ ایک دوسری روایت میں ہے:

لاتحاسدوا ولاتباغضوا ولایغتب بعضکم بعضا وکونوا عباداللہ اخوانا۔

(ترجمہ) تم کسی سے حسد مت کرو، نہ کسی سے بغض رکھو، نہ کسی کی غیبت کرو اور اللہ کے بندو بھائی بھائی ہو جاؤ۔ (احیاء العلوم ج سوم ص198)

حضرت جابر و ابو سعید رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ایاکم والغیبة فان الغیبة اشد من الزّنا ۔(ترجمہ) تم لوگ غیبت سے پرہیز کرو کیونکہ غیبت کا گناہ زنا سے زیادہ سخت ہے۔

اکابر حضرات یہ فرماتے ہیں زنا کر کے آدمی اگر توبہ کر لے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرما لیتا ہے، مگر غیبت کرنے والے کی مغفرت اس وقت تک نہیں ہوتی جب تک کہ جس کی غیبت کی ہو وہ معاف نہ کرے۔ ایک روایت حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا:

☆متعلّم جامع اشرف، کچھوچھہ شریف، یوپی

لَیلة اسری بی رأیت فی النار قوما یاکلون الجیف. فقلت یا جبریل من ھٰؤلاء؟ قال ھٰؤلاء الذین یاکلون لحوم النّاسِ۔

(ترجمہ) معراج کی رات میں نے ایک قوم کو دیکھا جو مردار کھا رہی تھی، میں نے جبرئیل سے پوچھا یہ کون لوگ ہیں؟ تو انھوں نے جواب دیا یہ وہ لوگ ہیں جو دوسروں کا گوشت کھاتے تھے۔ (یعنی ان کی غیبت کرتے تھے) (منہاج العابدین 143/1)

اور اسی میں یہ بھی نقل ہے کہ ایک دفعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

اقطع لسانک عن حملة القرآن فطلاب العلم ولا تمزق الناس بلسانک فتمزقک کلاب النار۔

(ترجمہ) علما اور طالب علموں کی غیبت سے زبان بند رکھنا اور عام لوگوں کو زبان سے نہ پینا (غیبت نہ کرنا) تاکہ روز قیامت دوزخ کے کتے تجھے دانتوں سے نہ چبائیں۔ (منہاج العابدین ج1، ص143)

اور حضرت ابو قلابہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

ان الغیبة خراب القلب من الھدی (منہاج العابدین ج1، ص143)

(ترجمہ) غیبت کی وجہ سے انسان کا دل ہدایت سے پھر جاتا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام پر اللہ تبارک وتعالیٰ نے وحی فرمائی کہ جو شخص غیبت سے توبہ کر کے مرے گا تو وہ سب سے پیچھے جنت میں داخل ہوگا اور جو شخص بغیر توبہ کیے مرے گا وہ سب سے پہلے جہنم میں داخل ہوگا۔

حضرت حسن رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ بخدا غیبت کا اثر مسلمان کے دل میں آکلہ بیماری کے اثر سے بھی زیادہ ہوتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جیسے مرض آکلہ تن بدن کو کھا لیتا ہے ویسے ہی غیبت دین کو کھا جاتی ہے۔

زبان کی دوسری آفت جاسوسی کرنا ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا: **ولا تجسسوا ولا یغتب بعضکم بعضا** ۔ یعنی جاسوسی نہ کرو اور ایک دوسرے کی غیبت بھی نہ کرو۔

اللہ تعالیٰ نے کس وضاحت کے ساتھ حکم دیا کہ اے مسلمانو! ایک دوسرے کے راز کو نہ ڈھونڈو، ایک دوسرے کا عیب نہ تلاش کرو، دوسروں کے نجی معاملات وحالات کی ٹوہ نہ لگاتے پھرو۔ اللہ کا یہ حکم عام ہے اور کسی حالت میں بھی مسلمانوں کے اندرونی حالات کو ٹٹولنا (ڈھونڈنا) بہت بڑا عیب ہے۔ یہ حرکت بدگمانی کی بنا پر کی جائے تو بری ہے، بدنیتی سے کسی کو نقصان پہنچانے کے لیے کی جائے تو بری ہے، اگر محض اپنے استعجاب کے لیے کی جائے تو بھی بری ہے۔ مسلمان کے مابین اس کا استعمال کسی حال میں بھی درست وجائز نہیں۔ بہرحال انسان اپنے بارے میں تجسّس کرے، اپنی ٹوہ لگائے اور اپنے نفس کا استعجاب اپنی ذات کے بارے میں کرے تو یہ ایک خوبی کی بات ہے۔ اگر اللہ توفیق دے تو ایسا کرے لیکن ایسا کوئی شخص کم ہی کرتا ہے بلکہ اکثر کرتا وہی ہے جس سے روکا گیا اور بدقسمتی کی بات یہ بھی ہے کہ آج یہ بیماری اتنی عام ہو چکی ہے کہ ہر آدمی دوسرے آدمی کی ٹوہ میں لگا ہوا ہے۔ انسان کے اندر عصر حاضر میں یہ بیماری بھی پائی جا رہی ہے کہ انسان کو جس چیز سے منع کیا گیا تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس سے منع نہیں بلکہ اس کا حکم دیا گیا ہے اور جن چیزوں کے کرنے کا حکم دیا گیا ہے تو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اس سے منع کیا گیا ہے اور بدقسمتی سے ہمارا معاملہ بالکل ہی پلٹ گیا ہے۔

عصر حاضر میں انسان اس بات پر غور وخوض کرنے میں لگا ہے کہ لوگوں کی ٹوہ (عیب) کہاں ہے اور کیسے ملے گی؟ میرے دوستو! یہ تجسّس اور ٹوہ نہیں بلکہ جاسوسی کرنے والوں کی نوحہ خوانی ہے، ماتم ہے، آہ وفغاں ہے، واویلا ہے۔ اور جاسوسی کرنے والے اس بات میں لگے ہوئے ہیں کہ کہیں اس کا عیب ملے تاکہ اس کا بازو کاٹ کر رکھ دیں اور اس کے اندر مزید کچھ لکھنے کی صلاحیت باقی نہ رہے اور اس کی زبان کھینچ لیں تاکہ کچھ بولنے پر قابو نہ پا سکے۔

مذکورہ احادیث مبارکہ اور آیات قرآنیہ سے معلوم ہوا کہ کسی شخص کی بھی غیبت اور جاسوسی کرنا ایک خطرناک بیماری اور بڑا جرم ہے۔ تو مسلمانو! ہم لوگوں کو غیبت اور جاسوسی (ٹوہ میں پڑنے) سے اجتناب کرنا چاہیے کیونکہ غیبت اور جاسوسی کی مذمت احادیث مبارکہ اور آیات قرآنیہ میں بہت سخت آئی ہے اس لیے کہ غیبت اور جاسوسی کرنے والوں کو کہیں پر اپنے مردار بھائی کا گوشت کھانے سے تشبیہ دی گئی ہے تو کہیں پر غیبت کے گناہ کو زنا کے گناہ سے بڑھ کر قرار دیا گیا ہے تو کہیں پر غیبت کی وجہ سے انسان کو ہدایت کے بجائے گمراہی کے سالک سے تشبیہ دی گئی ہے۔ تو کیا مسلمانو! تم لوگ یہ پسند کرتے ہو کہ تم اپنے مردار بھائی کا گوشت کھاؤ یا ہدایت کے بجائے گمراہی کو اختیار کرو یا کوئی ایسا گناہ کرو جس کا گناہ زنا سے بڑھ کر ہو۔ بالکل نہیں! ہم ایسا ہرگز ہرگز پسند نہیں کر سکتے۔

تو مسلمانو! ہم لوگوں کو چاہیے کہ کسی شخص کی نہ غیبت کریں اور نہ جاسوسی کریں بلکہ اس سے پرہیز وگریز کریں اور **ظنّ المومنین خیرا** کو مدِّ نظر رکھتے ہوئے اس پر عمل کریں۔ مولیٰ تعالیٰ سے یہ دعا ہے کہ مسلمانوں کو صراطِ مستقیم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین بجاہ سیّد المرسلین۔ □□

علامہ غلام رسول سعیدی ☆

اولیاء اللہ کی نذر کے سلسلے میں
چند غلط فہمیوں کی اصلاح

نذر کا لغوی معنی:

علامہ سید زبیدی لکھتے ہیں: نذر منّت ہے، انسان جس کام کی منّت مان کر اس کو اپنے اوپر واجب کر لیتا ہے اس کو نذر کہتے ہیں۔ یہ نَذَرَ یَنْذُرُ۔ اور نَذَرَ یَنْذِرُ دونوں طرح مستعمل ہے۔ ''اللہ سبحانہٗ کے لیے نذر کی!'' اس کا معنی ہے کسی صدرہ یا عبادت کو تبرعاً اوپر لازم کر لیا۔ قرآن مجید میں ہے کہ عمران کی بیوی نے کہا: رَبِّ اِنِّیْ نَذَرْتُ لَکَ مَافِیْ بَطْنِیْ مُحَرَّراً'' اے میرے پروردگار! جو (بچہ) میرے پیٹ میں ہے میں اس کی تیرے لیے منّت مانتی ہوں کہ میں اس کو دنیا کے کاموں سے آزاد رکھوں گی۔'' ابن اثیر کہتے ہیں کہ نذر کی احادیث میں نذر ماننے سے منع کیا گیا ہے، یہ درحقیقت نذر کے حکم کی تاکید ہے اور نذر واجب کرنے کے بعد اس کو پورا کرنے میں سستی کرنے سے ممانعت ہے۔ اگر ان احادیث سے نذر ماننے کی ممانعت مراد ہوتی تو نذر ماننا معصیت ہوتا اور اس کو پورا کرنا لازم نہ ہوتا۔ ان احادیث کی یہ توجیہہ اس لیے کی گئی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا ہے کہ نذر ماننے کی وجہ سے کوئی نفع جلد حاصل ہوتا ہے نہ کوئی ضرر دُور ہوتا ہے اور نہ اس سے تقدیر کو ٹالا جا سکتا ہے، اس لیے ان احادیث کا مطلب یہ ہے کہ اگر تمھارا عقیدہ یہ ہے کہ نذر ماننے کی وجہ سے تم اس چیز کو حاصل کر لو گے جو تمھاری تقدیر میں نہیں ہے یا تم قضا کو ٹال دو گے تو نذر مت مانو اور جب تم اس عقیدہ کے بغیر نذر مانو تو اس نذر کو پورا کرو، کیونکہ وہ تم پر لازم ہے۔ (علامہ سید محمد مرتضیٰ زبیدی حنفی متوفی 1205ھ، تاج العروس، ج3، ص561، مطبوعہ المطبعۃ الخیریۃ مصر، 1306ھ)

نذر کا شرعی معنی:

علامہ علاء الدین حصکفی لکھتے ہیں: نذر ایک عبادتِ مقصودہ ہے اور عباداتِ واجبہ کی جنس سے ہے۔ (جو عبادت فی نفسہا واجب نہ ہو جیسے دخولِ مسجد، عیادتِ مریض، جنازہ میں شریک ہونا اور اوراد و وظائف کا پڑھنا، یا واجب تو ہو لیکن فی ذاتہا مقصود نہ ہو جیسے قرأتِ قرآن اور وضو کرنا، اس کی نذر ماننا صحیح نہیں ہے) جیسے کوئی شخص روزہ، نماز، صدقہ، حج، اعتکاف، وقف یا کسی اور عبادت مقصودہ واجبہ کی نذر مانے۔ (علامہ علاء الدین حصکفی حنفی متوفی 1088ھ، درمختار علی ہامش، ردالمحتار، ج3، ص91، مطبوعہ عثمانیہ استنبول)

نذر کا حکم:

نذر کا پورا کرنا واجب ہے۔ قرآن مجید میں ہے: وَلْیُوْفُوْا نُذُوْرَھُمْ۔ (حج:29) ''وہ اپنی نذروں کو پورا کریں''

ہر چند کہ قرآن مجید نذر پورا کرنے کا لزومِ فرضیت کا تقاضا کرتا ہے لیکن چونکہ اس آیت کی لزوم پر قطعی دلالت نہیں ہے اس لیے نذر کا پورا کرنا فرض نہیں ہے، واجب ہے اور لزوم قطعی نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ مطلقاً نذر کو پورا کرنا لازم نہیں ہے چنانچہ معصیت کی نذر کو، عبادات نافلہ کی نذر کو اور عباداتِ واجبہ غیر مقصودہ کی نذر کو پورا کرنا لازم نہیں ہے۔

اس باب کی احادیث سے بھی نذر پورا کرنے کا لزوم ثابت ہے۔

علامہ ابن عابدین شامی نے لکھا ہے کہ علامہ ابن ہمام فرماتے ہیں: نذر کا پورا کرنا، کتاب، سنّت اور اجماعِ مسلمین سے ثابت ہے۔ (علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی، متوفی 1252ھ، ردّالمحتار، ج3، ص91، مطبوعہ مطبعہ عثمانیہ استنبول)

نذر کی شرائط:

ملّا نظام الدین نے نذر کی حسبِ ذیل شرائط ذکر کی ہیں:

(1) جس چیز کی نذر مانی ہے اس کی جنس سے کوئی عبادت شرعاً واجب ہو۔ اسی لیے عیادتِ مریض کی نذر صحیح نہیں ہے۔ (2) جس چیز کی نذر مانی ہے وہ عبادتِ مقصودہ ہو، کسی دوسری عبادت کا وسیلہ نہ ہو، اسی لیے وضو اور سجدۂ تلاوت کی نذر صحیح نہیں ہے۔ (3) جس چیز کے لیے نذر مانی ہے وہ فی نفسہٖ معصیت نہ ہو۔ (البحر الرائق) (4) جن عبادات کی نذر مانی ہے وہ فی نفسہا فرض یا واجب نہ ہو مثلاً کوئی شخص ظہر کی نماز کی نذر مان لے تو صحیح نہیں ہے۔ (5) جس عبادت کی نذر مانی ہے اس کا کرنا محال نہ ہو، مثلاً کوئی شخص کہے ''اگر اللہ تعالیٰ نے میرا کام کر دیا تو میں گذشتہ کل میں روزہ رکھوں گا۔'' (البحر الرائق)

نذر کی اقسام:

علامہ بدرالدین عینی حنفی لکھتے ہیں:

نذر کی چار قسمیں ہیں: (1) عبادت جیسے نماز (2) معصیت جیسے زنا (3) مکروہ جیسے نوافل ترک کرنے کی نذر (4) مباح جیسے مباح کھانے پینے یا مباح لباس پہننے کی نذر۔ عبادت کی نذر کو پورا کرنا لازم ہے اور باقی

☆ پاکستان

اقسام کی نذر کو پورا کرنا لازم نہیں ہے۔ (ملا نظام الدین، متوفی 1157ھ، فتاویٰ عالمگیری، ج1، ص208، مطبوعہ مطبع امیریہ کبریٰ بولاق مصر، 1310ھ)

صحیح یہ ہے کہ عبادت کی نذر کو پورا کرنا لازم ہے۔ معصیت کی نذر کو پورا کرنا، معصیت کی نوعیت کے اعتبار سے ممنوع ہے۔ حرام کی نذر حرام ہے۔ مکروہ تحریمی کی نذر مکروہ تحریمی ہے۔ مکروہ تنزیہی کی نذر مکروہ تنزیہی ہے اور مباح کی نذر کو پورا کرنا لازم نہیں ہے۔

علامہ علاء الدین حصکفی لکھتے ہیں:

''اکثر عوام فوت شدہ لوگوں کی نذر مانتے ہیں اور اولیاء اللہ کا تقرب حاصل کرنے کے لیے ان کے مزارات پر روپے پیسے، موم بتیاں اور تیل لے جاتے ہیں، یہ نذر بالا جماع باطل اور حرام ہے جب تک ان چیزوں کو فقرا پر خرچ کرنے کا قصد نہ کیا جائے۔'' (علامہ علاء الدین الحصکفی حنفی، متوفی 1088ھ، درمختار علی ہامش ردالمحتار، ج2، ص175، مطبوعہ عثمانیہ استنبول، 1327ھ)

علامہ ابن عابدین شامی حنفی اس عبارت کی شرح میں لکھتے ہیں:

''جو شخص اولیاء اللہ کی نذر اس طرح مانتا ہے: اے سیدی! اگر میرا گم شدہ شخص لوٹ آیا یا میرا بیمار تندرست ہو گیا یا میری حاجت پوری ہو گئی تو میں آپ کو اتنا سونا، چاندی یا کھانا یا موم بتیاں یا تیل دوں گا۔ یہ نذر بالا جماع باطل اور حرام ہے اور اس پر متعدد دلائل ہیں۔ پہلی دلیل یہ ہے کہ یہ مخلوق کی نذر ہے اور مخلوق کی نذر جائز نہیں ہے کیونکہ نذر عبادت ہے اور مخلوق کی عبادت جائز نہیں ہے۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ جس کی نذر مانی ہے وہ میّت ہے اور میّت کسی چیز کا مالک نہیں ہوتا۔ تیسری دلیل یہ ہے کہ اگر نذر ماننے والے کا یہ گمان ہے کہ اشیا میں اللہ تعالیٰ کا نہیں میّت کا تصرف ہے تو اس کا یہ اعتقاد کفر ہے۔ اس کی اصلاح کی یہ صورت ہے کہ نذر ماننے والا اللہ کی نذر مانے اور کہے اے اللہ! اگر میرا مریض شفایاب ہو گیا، یا میرا گم شدہ شخص واپس آ گیا یا میری حاجت پوری ہو گئی تو میں تیری نذر مانتا ہوں کہ میں (مثلاً) سیدہ نفیسہ، یا امام شافعی، یا امام لیث کے مزار پر بیٹھنے والے فقرا کو کھانا کھلاؤں گا، یا ان کی مساجد کے لیے چٹائیاں لے جاؤں گا، یا ان مساجد کے لیے تیل، یا روپے پیسے لے جاؤں گا۔ نذر اللہ عزوجل کی ہو اور اولیائے کرام کا ذکر صرف نذر کا مصرف متعین کرنے کے لیے ہو، اور جو فقرا اولیاء اللہ کے مزارات یا مساجد پر اس امید سے بیٹھے ہوتے ہیں ان پر اس نذر کو خرچ کیا جائے۔ اس نذر کو غنی، عہدیدار اور سادات پر خرچ کرنا جائز نہیں ہے اور شریعت میں نذر کو اغنیا پر صرف کرنے کا کوئی ثبوت نہیں ہے کیونکہ اس پر اجماع ہے کہ مخلوق کی نذر حرام ہے اور منعقد نہیں ہوتی اور نہ ہی مزارات کے خادموں کے لیے اس نذر کا لینا جائز ہے الّا یہ کہ وہ فقرا ہوں اور ان کے اہل و عیال کسب سے عاجز ہوں۔'' (علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی حنفی، متوفی 1252ھ، ردالمحتار، ج2، ص175، مطبوعہ مطبع عثمانیہ استنبول، 1327ھ)

ملا نظام الدین حنفی (مرتب فتاویٰ عالمگیری) نے ذکر کیا ہے:

اکثر عوام اس طرح نذر مانتے ہیں کہ وہ اولیاء اللہ کے مزارات پر جاتے ہیں اور ان کے مزارات کی چادر اٹھا کر کہتے ہیں: اے سیدی فلاں بزرگ! اگر میری حاجت پوری ہو گئی تو مثلاً آپ کو اتنا سونا دوں گا۔ یہ نذر بالا جماع باطل ہے، ہاں! اگر یہ کہے کہ اے اللہ! میں تیری نذر مانتا ہوں کہ اگر مثلاً میرا بیٹا شفا یاب ہو گیا تو میں مثلاً سیدہ نفیسہ کے دربار پر بیٹھنے والے فقرا کو کھانا کھلاؤں گا یا ان کی مسجد کے لیے چٹائیاں اور روشنی کے لیے موم بتیاں دوں گا، یا مسجد کے منتظم کو خرچ کے لیے پیسے دوں گا۔ یہ نذر اللہ تعالیٰ کی ہو اور شیخ کا ذکر صرف نذر کے مستحقین کے محل کو متعین کرنے کے لیے ہو تو یہ جائز ہے۔ لیکن اس نذر کو غیر فقرا پر خرچ کرنا جائز نہیں ہے، کسی ذی علم عالم پر اور نہ شیخ کے خدام اور حاضرین پر الّا یہ کہ وہ فقرا ہوں۔ پس اولیاء اللہ کے مزارات پر اُن کا تقرب حاصل کرنے کے لیے جو پیسے چڑھائے جاتے ہیں وہ بالا جماع حرام ہیں جب تک ان پیسوں کو زندہ فقرا پر خرچ کرنے کا قصد نہ کیا جائے اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے اور اکثر لوگ اس غلط کام میں مبتلا ہیں۔ النہر الفائق اور البحر الرائق میں اسی طرح لکھا ہے۔ (ملا نظام الدین حنفی متوفی 1157ھ، فتاویٰ عالمگیری، ج1، ص216، مطبوعہ مطبع امیریہ کبری، بولاق مصر 1327ھ)

اولیاء اللّٰہ کی مروّج نذر کے متعلق شاہ مسعود دہلوی کا نظریہ:

شاہ محمد مسعود دہلوی لکھتے ہیں:

اگر کوئی نذر ماننے والا نذر کو واسطے اللہ کے خالصاً مانے اور کہے کہ اے بارخدایا! یہ نذر واسطے تیرے ہے اگر فلاں حاجت پوری ہو جائے گی تو فلاں درگاہ کے فقرا کو دوں گا تو جائز ہے کمافی الشامی اور یہی عالمگیری میں ہے، پس تاوقتیکہ نذر خالصاً للّٰہ نہ ہو اور صَرف اس کا واسطے فقرا زندوں کے نہ ہو جائز نہیں اور حرام ہے بالا جماع۔ (شاہ محمد مسعود دہلوی 1396ھ، فتاویٰ مسعودی، ص440، مطبوعہ سرہند پبلی کیشنز کراچی، 1407ھ)

اولیا اللّٰہ کی مروّج نذر کے متعلق مولانا ریاست علی خاں کا نظریہ:

مولانا ریاست علی خاں سے سوال کیا گیا: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ بکرا جو عوام الناس میں شیخ سدّو کے نام کا مقرر کرتے ہیں

اورنذر مانتے ہیں کہ اگر ہماری مراد پوری ہوجائے گی تو تمھارے نام کا بکرا ذبح کریں گے تو کھانا اس گوشت کا حرام ہے یا حلال اور ایسی نذر درست ہے یا نہیں؟

مولانا ریاست علی خاں جواب میں لکھتے ہیں:

''کھانا اس گوشت کا بلاشبہ حرام ہے اس لیے کہ اس میں تنظیم اور تقرب اور اہلال الی غیر اللہ پایا گیا کہ شرع شریف میں ایسی تنظیم اور تقرب کی ممانعت صریح ثابت ہے اور ایسی نذر نادرست اور حرام ہے۔'' (مولانا ریاست علی خان، جامع الفتاویٰ، ج1،ص33، مطبع اسلامی پریس شاہجہانپور، 1320ھ)

اولیاء اللّٰہ کی مروّج نذر کے متعلق شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کا نظریہ:

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے پہلے فتاویٰ عزیزی ج 1، ص95 عالمگیری کی مذکورہ الصدر عبارت کا ترجمہ کیا ہے، اس کے بعد اسی کتاب میں ایک اور جگہ لکھا ہے:

''قضائے حاجات کے لیے اولیاء اللہ کی جو نذر معروف اور مروّج ہے، اکثر فقہا اس کی حقیقت کو نہیں پہنچ سکے، انھوں نے اس کو اللہ تعالیٰ کی نذر پر قیاس کرکے یہ کہا ہے کہ اگر ولی کے لیے بالاستقلال نذر ہو تو باطل ہے اور اگر نذر اللہ تعالیٰ کے لیے ہو اور ولی کا ذکر صرف بیان مصرف کے لیے ہو تو جائز ہے۔ لیکن اس نذر کی حقیقت یہ ہے کہ میّت کی روح کو طعام کا ہدیہ پہنچانا امر مسنون ہے اور یہ احادیث صحیحہ سے ثابت ہے، جیسا کہ حضرت سعد کی والدہ کا ذکر صحیحین میں ہے۔ اس نذر کا خلاصہ یہ ہے کہ فلاں ولی کی طرف اتنی چیز کے ثواب کی نسبت ہے اور ولی کا ذکر نذر شدہ عمل کی تعیین کے لیے ہے، مصرف کے ذکر کے لیے نہیں ہے، نذر کرنے والے کے نزدیک اس نذر کا مصرف اس ولی کے متعلقین، قرابت دار، خدام اور اہل طریقت ہوتے ہیں اور نذر کرنے والوں کا یہی مقصود ہوتا ہے۔ اس نذر کا حکم یہ ہے کہ اس کو پورا کرنا صحیح ہے، کیونکہ یہ عبادت مقصودہ ہے۔ ہاں! اگر اس ولی کو بالاستقلال حلال مشکلات سمجھتا ہو یا اس کے شفیع غالب ہونے کا عقیدہ رکھتا ہو تو یہ شرک ہے اور ایسی نذر ناجائز ہے۔'' (شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی، متوفی 1229ھ فتاویٰ عزیزی، ج1،ص128، مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی، 1311ھ)

شاہ عبدالعزیز کا مطلب یہ ہے کہ عوام جو چیزیں اولیاء اللہ کو نذر کرتے ہیں وہ درحقیقت ایصال ثواب کا نذرانہ ہے اور لغوی نذر ہے اور یہ ایصالِ ثواب ولی کے خدام اقربا اور متعلقین کے لیے ہے اور یہ شرعی نذر نہیں ہے، جس میں یہ کہا جائے کہ ''اگر فلاں بزرگ نے میرا یہ کام کردیا تو میں اس کی درگاہ میں چادر چڑھاؤں گا، یا اس کی درگاہ میں مانگی چیزیں دوں گا۔'' اور اگر کسی نے ایسا کہا تو یہ ناجائز ہے اس کی تصریح شاہ عبدالعزیز نے اسی فتاویٰ میں اس سے پہلے فتاویٰ عالمگیری کے حوالے سے کردی ہے۔ (فتاویٰ عزیزی، ج1،ص95)

کیا میّت کے لیے لغوی نذر ماننا جائز ہے؟

بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ اگر کوئی شخص کسی حاجت کے وقت اولیاء اللہ کی نذر اس طرح مانے: ''اے داتا! اگر تو نے میری یہ حاجت پوری کردی تو میں تیرے لیے ایک بکرا پیش کروں گا۔'' تو یہ نذر جائز ہے کیونکہ یہ نذر لغوی ہے اور جو نذر غیر اللہ کی حرام ہے وہ نذر فقہی یا نذر شرعی ہے۔ اور نذر لغوی اور شرعی میں ان لوگوں کے نزدیک صرف یہ فرق ہے کہ نذر شرعی میں اللہ کی نذر مانی جاتی ہے اور نذر لغوی میں اولیاء اللہ کی نذر مانی جاتی ہے۔ لیکن یہ کہنا صحیح نہیں ہے کیونکہ اس طرح غیر اللہ کے لیے سجدہ، طواف، روزہ اور دیگر عبادات بھی جائز ہوجائیں گی۔ مثلاً کوئی شخص کسی دل کو سجدہ کرے گا اور کہے گا یہ لغوی سجدہ ہے کوئی شخص کسی ولی کی قبر کا طواف کرے گا اور کہے گا کہ یہ لغوی طواف ہے اور کوئی شخص کسی ولی کے لیے روزہ رکھے گا اور کہے گا یہ لغوی روزہ ہے، اس طرح نعت کے سہارے غیر اللہ کے لیے تمام عبادات کا دروازہ کھل جائے گا، کیونکہ جس طرح نذر بالاتفاق عبادت ہے لیکن لغوی نذر غیر اللہ کے لیے شرعاً مانی جاسکتی ہے تو اسی طرح غیر اللہ کے لیے لغوی نماز پڑھی جاسکتی ہے، غیر اللہ کے لیے لغوی روزے رکھے جاسکتے ہیں اور لغوی حج کیے جاسکتے ہیں وعلیٰ ہذا القیاس۔

لغوی قسم اور لغوی نذر کی تحقیق:

بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ غیر اللہ کی قسم کھانا ناجائز ہے حالانکہ قرآن مجید اور احادیث صحیحہ میں غیر اللہ کی قسمیں کھائی گئی ہیں اور اس کا یہی جواب ہے کہ غیر اللہ کی شرعی اور فقہی قسم ناجائز ہے اور غیر اللہ کی لغوی قسم کھانا جائز ہے۔ سو اسی قیاس پر غیر اللہ کی شرعی اور فقہی نذر ناجائز ہے اور غیر اللہ کی لغوی نذر جائز ہے۔

یہ دلیل متعدد وجوہ سے صحیح نہیں ہے پہلی وجہ یہ ہے کہ چونکہ غیر اللہ کے لیے قسم کا ذکر قرآن اور حدیث میں آگیا ہے اس لیے اس میں تاویل کی ضرورت ہے اور غیر اللہ کے لیے نذر ماننے کا ذکر چونکہ قرآن اور حدیث میں نہیں ہے اس لیے اس کو تاویل سے غیر اللہ کے لیے جائز کرنے کی کیا ضرورت ہے؟

دوسری وجہ یہ ہے کہ اللہ کی قسم اور غیر اللہ کی قسم میں صرف لغت اور اصطلاح کا فرق نہیں ہے بلکہ اصل فرق یہ ہے کہ جب انسان کسی کام کو کرنے

کے لیے اللہ کی قسم کھاتا ہے تو اس کا مقصود یہ ہوتا ہے کہ وہ ضرور بالضرور اس کام کو کرے گا اور اگر نہیں کیا تو کفارہ قسم ادا کرے گا، اور جب غیر اللہ کی قسم کھاتا ہے تو اس قسم سے اس کا مقصود فقط اس نام کی تعظیم ہوتا ہے اور قسم کھانے سے یہ مقصود نہیں ہوتا کہ وہ یہ کام کرے گا بلکہ فقہا نے لکھا ہے کہ جب کوئی شخص کسی کام پر غیر اللہ کی قسم کھائے تو ایسے شخص کو فقہا نے کافر قرار دیا ہے، اس فرق کو ذکر کرنے کے بعد علامہ شامی لکھتے ہیں:

ہمارے مشائخ کے کلام سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اگر کسی شخص نے اس عقیدہ سے غیر اللہ کی قسم کھائی کہ اس کو پورا کرنا واجب ہے تو یہ کفر ہے اور اس عقیدے کے بغیر حرام ہے۔ جواز صرف اس صورت میں ہے کہ جب غیر اللہ کی قسم کھانے سے صرف غیر اللہ کی تعظیم مقصود ہو یا کسی کلام کی تاکید مقصود ہو۔ علامہ شامی نے لکھا ہے کہ اگر غیر اللہ کی قسم میں اس کی تنظیم سے اللہ کی تعظیم کی تشبیہ کا قصد کیا تو یہ بھی کفر ہے۔ (علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی حنفی، متوفی 1252ھ، ردالمحتار، ج1، ص16، مطبوعہ مطبع عثمانیہ استنبول، 1327ھ)

تیسری وجہ یہ ہے کہ غیر اللہ کی قسم کا جواز صرف اس لیے ہے کہ اس میں قسم کے الفاظ کا ذکر ہوتا ہے لیکن قسم سے جو مقصود ہوتا ہے "کسی کام کو ضرور بالضرور کرنا اور نہ کرنے کی صورت میں کفارہ دینا" وہ اس قسم میں مقصود نہیں ہوتا بلکہ صرف تاکید اور تعظیم مقصود ہوتی ہے اور یہ شرط ملحوظ ہے کہ جس کام کے لیے غیر اللہ کی قسم کھائی جائے اس کو پورا نہ کیا جائے جیسا کہ ہم علامہ شامی کے حوالے سے بیان کر چکے ہیں سو اس قسم کے فرق کے ساتھ اگر غیر اللہ کی نذر کی جائے تو جائز ہے۔ اللہ کی نذر اس لیے مانی جاتی ہے کہ اللہ نذر ماننے والے کی حاجت پوری کر دے اور نذر رہونے والا حاجت پوری ہونے کے بعد اللہ کے لیے وہ نذر پیش کرتا ہے، سو اگر اولیاء اللہ سے حاجت برآری مقصود کو اور نہ یہ التزام ہو کہ حاجت پوری ہونے کے بعد وہ اولیاء اللہ کے حضور کوئی چیز پیش کرے تو ایسی نذر اولیا کے لیے قطعاً جائز ہے اور اس کے جواز میں کوئی شبہ نہیں ہے مثلاً مالی اور بدنی نفلی عبادات کا ثواب اولیا اللہ کو نذر کیا جائے تو یہ صحیح ہے۔ قرآن مجید، احادیث صحیحہ، آثارِ صحابہ اور اسلاف کے معمولات میں اس کی بکثرت نظائر ہیں، اور آج کل جس طرح اَن پڑھ عوام اپنی حاجات میں اولیاء اللہ کی نذریں اور منتیں مانتے ہیں اور حاجات پوری ہونے کے بعد مزارات پر نذریں پیش کرتے ہیں، اور بعض لوگ اس کو لغوی نذر کہہ کر سند جواز پیش کرتے ہیں۔ اس کا قرآن مجید، احادیث صحیحہ اور آثار صحابہ میں کوئی ثبوت نہیں ہے۔ کتب فتاویٰ میں اس نذر کو حرام کہا ہے جیسا کہ ہم اوپر بیان کر چکے ہیں۔ یہ ایک خالص فقہی مسئلہ ہے اس میں کتب فقہیہ کو چھوڑ کر بعض غیر معصوم اور غیر معروف صوفیوں کے اقوال اور احوال سے استدلال کرنا کوئی ثقاہت نہیں ہے بلکہ عدل و انصاف سے بعید ہے۔

مصیبت کے وقت کٹّر مشرکین کا اللہ تعالیٰ کی نذر ماننا:

جو لوگ اپنی حاجات میں اللہ تعالیٰ سے دُعا کرنے کے بجائے اولیاء اللہ کو پکارتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر اولیاء اللہ سے حاجت روائی کی درخواست کرتے ہیں انھیں ان آیات پر غور کرنا چاہیے۔

ھو الذی یسیرکم فی البر و البحر حتی اذا کنتم فی الفلک و جرین بھم بریح طیبة و فرحوا بھا جاء تھا ریح عاصف و جاء ھم الموج من کل مکان و ظنوا انھم احیط لھم دعوا اللّٰہ مخلصین لہ الدین، لئن انجیتنا من ھذہ لتکونن من الشاکرین، فلما انجاھم اذاھم یبغون فی الارض بغیر الحق، یآایھا الناس انما بغیکم علی انفسکم متاع الحیٰوۃ الدنیا ثم الینا مرجعکم فننبئکم بما کنتم تعملون (یونس:23-23)

وہی ہے جو تم کو خشک زمین اور سمندر میں چلاتا ہے، یہاں تک کہ جب تم کشتیوں میں سوار ہوئے اور موافق ہَوا کے ساتھ وہ کشتیاں چلیں اور وہ (اس سفر میں) شادمان تھے۔ کہ اچانک ان کشتیوں کو ایک تیز آندھی نے آ لیا اور سمندر کی موجوں نے ان کو ہر طرف سے گھیر لیا اور وہ سمجھے کہ ہم طوفان میں گھر گئے ہیں، اس وقت انھوں نے اللہ کو پکارا درآنحالے کہ وہ خالص اسی کے عبادت گزار تھے (اور کہا) اگر تو نے ہمیں اس (مصیبت) سے نجات دے دی تو ہم ضرور تیرے شکر گزار بندوں میں سے ہو جائیں گے۔ پھر جب اللہ تعالیٰ نے ان کو اس (طوفان) سے بچا لیا تو وہ زمین میں ناحق بغاوت کرنے لگے، اے لوگو! تمھاری بغاوت تمھاری ہی جانوں پر ضرر ہے، دنیا کی زندگی کا کچھ فائدہ اٹھا لو پھر تمھیں ہماری ہی طرف لوٹنا ہے، اس وقت ہم تم کو تمھارے کرتوت بتائیں گے۔

ان آیات سے معلوم ہوا ہے کہ کٹر سے کٹر مشرک اور پکا بت پرست بھی سخت مصیبت میں اللہ کو پکارتا تھا، اللہ سے دُعا کرتا تھا اور اس کی نذر مانتا تھا اگر ہم مسلمان کہلا کر اپنی حاجات میں اللہ کو چھوڑ کر اولیاء اللہ کی نذر مانیں تو کس قدر افسوس ناک اور لائق مذمّت ہے۔

ہر چند کہ اولیاء اللہ کو غیر مستقل اور اللہ کے اذن سے متصرف سمجھ کر ان سے مدد طلب کرنا شرک نہیں ہے، لیکن مستحسن بھی نہیں ہے مستحسن یہی ہے کہ ہر

حال میں اللہ سے دُعا کی جائے اور اسی سے مدد مانگی جائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: **اذا سئلت فاسئل اللّٰہ و اذا استعنت فاستعن باللّٰہ۔** ''جب سوال کرو تو اللہ سے سوال کرو اور جب مدد مانگو تو اللہ سے مدد مانگو'' اس لیے یہ چاہیے کہ اولیاء اللہ اور دیگر محبوبانِ خدا کا صرف وسیلہ پیش کیا جائے اور دعا ہر حال میں اللہ سے مانگی جائے۔ (جامع ترمذی ص361) اور اپنی حاجات اور مصیبتوں میں غیر اللہ کی نذر ماننا بہر حال ناجائز ہے البتہ عبادات کے ایصالِ ثواب کو نذر کرنا ایک الگ چیز ہے۔

انبیائے کرام اور اولیائے عظام کے بارے میں راہ اعتدال اپنائیے:

اَن پڑھ لوگوں کو اولیاء اللہ کی نذریں مانتا دیکھ کر، ان کے مزارات مقدسہ کا طواف اور سجدے کرتے دیکھ کر اور مزارات کی تعظیم میں رکوع کی حد تک اَن پڑھ لوگوں کو جھکتے ہوئے دیکھ کر مجھے ایک بڑے عرصہ سے رنج اور قلق رہتا ہے، ہر چند کہ ان میں سے کوئی چیز کفر اور شرک نہیں ہے لیکن ان کے حرام ہونے میں بھی کوئی شبہ نہیں ہے۔ اب افراط اور تفریط کا یہ عالم ہے کہ ایک طرف بعض وہ انتہا پسند علما ہیں، جو ان چیزوں کو منع کرنے میں حد شرعی سے نکل گئے اور جو چیزیں حرام تھیں ان کو انھوں نے کفر اور شرک کہہ دیا، اور بہت سی چیزیں جو مباح اور مستحق ہیں جیسے میلادنبوی، غوث اعظم کی گیارہویں، فاتحہ، سوم، چہلم اور عرس وغیرہ ان کو بدعت سیئہ اور حرام کہہ دیا اور دوسری طرف وہ اَن پڑھ غالی عوام ہیں جو خدا کو چھوڑ کر اولیاء اللہ کی نذریں مانتے ہیں، نماز، روزہ اور دیگر فرائض پر عمل کرنے اور محرمات سے بچنے کے بجائے میلادِ شریف اور گیارہویں شریف کو کافی سمجھتے ہیں، نماز روزے کے قریب نہیں جاتے اور گیارہویں شریف کو چھوٹنے نہیں دیتے۔ ایک وہ انتہا پسند علما ہیں جو انبیا علیہم السلام اور اولیا کرام کی قبروں پر غیر شرعی کاموں کو روکنے میں اس قدر جری اور بے باک ہوئے کہ انھوں نے انبیا علیہم السلام کی تنقیص اور توہین شروع کر دی کہ یہ کسی چیز کے مالک اور مختار نہیں، ہماری لاٹھی فائدہ پہنچا سکتی ہے اور نبی اتنا فائدہ بھی نہیں پہنچا سکتا۔ (العیاذ باللہ!) اور بتوں کی آیات کو انبیا کرام اور اولیا عظام پر چسپاں کرنا شروع کر دیا، دوسری طرف وہ ناپختہ واعظین ہیں جو انبیا علیہم السلام کی شان بیان کرنے میں حد شرعی سے نکل جاتے ہیں۔ یہ لوگ جب نبی کی فضیلت بیان کرنے پر آتے ہیں تو نبی کو خدا سے بڑھائے بغیر ان کو مزہ نہیں آتا اور جب ولی کی تعریف بیان کرتے ہیں تو اس کو نبی سے بڑھا دیتے ہیں، اس لیے ضرورت ہے کہ دونوں جانبوں سے افراط اور تفریط کو چھوڑ کر اعتدال کو اپنایا جائے کہ وہی حق ہے اور اسی میں سلامتی ہے۔

نذر سے ممانعت کی وجوہات:

حدیث نمبر 4124 میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نذر سے منع کیا اور فرمایا نذر کسی چیز کو ٹال نہیں سکتی۔ نذر کے لغوی معنی کی بحث میں ہم علامہ ابن اثیر جذری کے حوالے سے نذر کی ممانعت کی توجیہات بیان کر چکے ہیں۔ ان توجیہات کے علاوہ کچھ اور توجیہات حسبِ ذیل ہیں:

(1) علامہ مازری نے کہا ہے کہ نذر ماننے والا عبادات کو بوجھ سمجھتا ہے اور جب تک ان کا مطلوبہ کام نہ ہو جائے اور اس پر عبادت لازم نہ ہو جائے، اس وقت تک وہ عبادت نہیں کرتا، اس وجہ سے کسی کام کی خاطر عبادت کی نذر ماننا مکروہ ہے۔

(2) علامہ مازری کہتے ہیں کہ جب نذر ماننے والا اپنے کسی کام پر عبادت کو موقوف کر دیتا ہے اور اس کام کے بعد عبادت کرتا ہے تو یہ عبادت بمنزلہ معاوضہ ہو جاتی ہے، اس لیے نذر ماننا مکروہ ہے۔

(3) قاضی عیاض نے کہا ہے کہ اگر نذر ماننے والے کا عقیدہ یہ ہو کہ نذر سے تقدیر بدل جاتی ہے تو نذر مکروہ ہے ورنہ نہیں۔ علامہ ابن اثیر کی بیان کردہ توجیہات کا حاصل بھی قاضی عیاضی کی طرح ہے کہ اگر نذر ماننے والے کا عقیدہ یہ ہو کہ نذر سے تقدیر بدل جاتی ہے تو نذر ماننا مکروہ ہے ورنہ نہیں، اور علامہ مازری کی توجیہات کا خلاصہ یہ ہے کہ نذر ماننا مطلقاً مکروہ تنزیہی ہے خواہ یہ عقیدہ ہو یا نہ ہو، تحقیقی یہ ہے کہ اگر نذر ماننے والے کا عقیدہ یہ ہے کہ نذر ماننے سے تقدیر بدل جاتی ہے تو نذر ماننا حرام ہے ورنہ مکروہ تنزیہی ہے۔

(ماخوذ شرح صحیح مسلم 4 / کتاب النذر ملخص)

ڈاکٹر خواجہ اکرام کو مبارک باد

جواہر لال نہرو یونیورسٹی کے اسسٹنٹ پروفیسر ڈاکٹر خواجہ اکرام کو قومی کونسل برائے فروغِ اُردو زبان کے ڈائریکٹر منتخب کیے جانے پر مفسر قرآن مولانا سید ابوالحسن اشرفی، ڈاکٹر نوشاد عالم چشتی، مولانا ارشاد عالم نعمانی، ضیاء الحق اور حمران اعظمی نے اپنی دلی مسرت کا اظہار کرتے ہوئے انھیں مبارک باد دی ہے۔ خواجہ اکرام صاحب کی علمی، ادبی، صحافتی اور تنظیمی میدان میں وقیع خدمات کے پیش نظر یہ امید قوی ہے کہ موصوف اپنے اس منصب کو بحسن وخوبی انجام دیں گے۔ (ادارہ ماہِ نور)

غلام احمد قریشی ☆

امام ابوحنیفہ ـ مذہبی مسلک اور عقائد

امام اعظم کی زندگی کا سب سے بڑا اور عظیم الشان کارنامہ فقہ اسلامی کی تدوین ہے۔ بلاشبہ امام اعظم پہلے شخص ہیں جنھوں نے فقہ اسلامی کو منظم طریقے سے مدوّن کیا۔ فقہ کے لغوی معنی سمجھنے کے ہیں۔ قرآن کریم میں بھی یہ لفظ اسی معنی میں استعمال کیا گیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَائِفَةٌ يَتَفَقَّهُوْ فِي الدِّيْنِ.

تو ان میں سے ہر ایک گروہ یا قبیلہ کی ایک جماعت کیوں نہ نکلے کہ وہ لوگ دین میں تفقہ یعنی خوب فہم و بصیرت حاصل کریں۔

اصطلاحِ شریعت میں اعمالِ شرعیہ کے مسائل فقہ کہلاتے ہیں، اس سے زیادہ جامع تعریف یہ ہے کہ فقہ شریعت کے ان فروعی احکام کے علم کو کہتے ہیں جو احکام کے مفصل دلائل سے حاصل ہوئے ہوں۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ فقہ ایک بدعت ہے جو عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور عہد صحابہ کے بعد میں آنے والوں کی ایجاد ہے۔ قرآن و حدیث میں اس کی کوئی اصل نہیں۔ یہ محض ان لوگوں کا مغالطہ ہے۔ حقیقت میں فقہ کسی بدعت کا نام نہیں بلکہ قرآن وسنت ہی کے علوم احکام میں تخصص کا نام ہے اور قرآن وسنت ہی کے دیگر بیشمار علوم کی شاخوں میں سے ایک شاخ ہے۔ فقہ کی اصطلاح قطعاً نئی نہیں بلکہ یہ ایک قرآنی اصطلاح ہے جس سے اسلامی قوانین کی حقیقی روح کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔ یہ قرآنی حکم ہے کہ علم فقہ کو ترقی دیا جائے اور ایسے لوگ پیدا ہوں جو دین کی سمجھ، فہم و تدبر اور بصیرت میں گہرائی اور مہارت حاصل کریں اور اس میں تخصص کریں تا کہ وہ قرآن وسنت سے احکام کا استخراج کرسکیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہے:

من یرد اللّٰہ بہ خیراً یفقہ فی الدین. (صحیح بخاری)

اللہ تعالیٰ جس کے ساتھ بھلائی کا ارادہ کرتا ہے تو اس کو فقہ (قرآن و حدیث کی سمجھ اور پختگی) عطا فرما دیتا ہے۔

امام شہاب الدین قسطلانی اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

"بعض صحابہ کرام حدیث سن کر صرف اس کا ظاہری معنی سمجھتے تھے مگر بعض صحابہ یا ان سے متصل تابعین یا ان کے بعد آنے والے حضرات اسی حدیث کو سن کر کثیر مسائل کا استنباط کر لیتے تھے۔ یہ صرف اللہ تعالیٰ کا فضل ہے وہ جسے چاہے عطا فرمائے۔ (ارشاد الساری)

عہد صحابہ میں جو مجتہد پائے جاتے تھے وہ اپنے فتاویٰ اور اجتہادات کو جمع نہیں کرتے تھے اس لیے کہ اصول دین مدون شکل میں کتاب اللہ ہی میں موجود ہے وہی شریعت کا عمود اور اللہ کی مضبوط رسی ہے لیکن اس دور کے بعد تقاضائے حالات کے پیش نظر ہمارے علما حدیث نبوی اور فقہ و فتاویٰ کی تدوین میں لگ گئے۔ مدینہ کے فقہا حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت عائشہ، حضرت ابن عباس اور ان کے بعد تابعین کے فتاویٰ جمع کرنے لگے۔ عراقی فقہا، عبداللہ بن مسعود اور حضرت علی کے فتاویٰ، شریح اور دیگر قضاۃ کوفہ کے فیصلوں کو جمع فرمایا۔ روایوں کا بیان ہے کہ ابراہم نخعی نے بھی فتاویٰ و مبادی کو ایک مجموعہ میں جمع کیا تھا۔ امام ابو حنیفہ کے استاد حماد کا بھی ایک مجموعہ تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ مجموعے مبوّب و مرتب کتابوں کی حیثیت نہ رکھتے تھے بلکہ ان کی حیثیت ایک ذاتی ڈائری کی تھی۔ مجتہد ضرورت کے مطابق اس کی طرف رجوع کرتا تھا مگر اسے لوگوں کے سامنے ایک کتاب کی طرح پیش نہ کرتا تھا۔ تابعین کے دور میں تالیف و تدوین کی تخم ریزی کا کام شروع ہوا۔ چنانچہ امام مالک نے موطا، امام ابو یوسف نے کتاب الخراج اور فقہ حنفی کی دیگر کتب مدون کیں۔ پھر امام محمد کا دور آیا تو انھوں نے مکمل یا تقریباً مکمل فقہ حنفی کو ترتیب دیا۔

علما نے فقہ کے چار ماخذ بیان کیے ہیں: (1) کتاب اللہ (2) سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (3) اجماعِ صحابہ (4) قیاس۔

اسلامی شریعت میں قرآن کریم کو وہی حیثیت حاصل ہے جو ملکی قوانین میں دستور کی ہوتی ہے۔ قرآن دورِ نبوی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد قیامت تک ساری امت کے لیے رہنما اور پیشوا ہے۔ شریعتِ الٰہی کا یہ ماخذِ اوّل ہے۔ اسلامی شریعت کا دوسرا ماخذ سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ لفظ سنت کا اطلاق ہر اس قول، فعل یا تقریر پر ہوتا ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب ہو اور آپ سے منقول ہو کر ہم تک پہنچا ہو۔ اس معنی کی روح سے سنت لفظ حدیث کے مترادف ہے۔ تیسرا ماخذ اجماع کا مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب اس عالم سے تشریف لے گئے تو بعد میں ایسے شرعی مسائل میں صحابہ کو باہمی مشاورت کی ضرورت پڑی جو یا تو مجمل تھے یا پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک عمل کے بارے میں مختلف روایتیں جمع ہوگئیں تو ان مختلف فیہ روایتوں میں صحابہ کا جو متفقہ فیصلہ ہوتا اسی کو اجماع کہتے ہیں۔ فقہ اسلامی کا چوتھا ماخذ قیاس ہے۔ کسی امر کا جو شرعی حکم ہے وہی حکم علّت مشترکہ کی وجہ سے کسی دوسرے امر کا قرار دینا قیاس کہلاتا ہے، دوسرے لفظوں میں یعنی کوئی چیز شریعت میں کسی علّت کی وجہ سے حرام ہے تو اگر وہی علت کسی دوسری چیز میں پائی جائے تو

☆ سابق ڈائرکٹر جنرل اقتصادیات وشماریات، محکمہ منصوبہ بندی، جموں وکشمیر
ای-میل: gaqureshi@gmail.com، موبائل: 09419000377

ازروئے قیاس اس کو بھی حرام قرار دیا جائے گا۔

امام اعظم کی مجلس تدوین فقہ کے اراکین چالیس تھے، یہ سب کے سب فقہ میں درجہ اجتہاد کو پہنچے ہوئے تھے۔ ان میں دس ممتاز ترین اہل علم پر ایک مجلس خاص تھی جس کے ارکان ابویوسف داؤد طائی، اسد بن عمر، یوسف بن خالد اور یحییٰ بن ابی زائدہ تھے۔ امام ابوحنیفہ کا طریقہ استنباط یہ تھا: پہلے ہر مسئلے کو کتاب اللہ سے مستنبط کیا جاتا، اگر کامیابی ہوجاتی تو اس کو معین فرمادیتے۔ اگر کسی طور کتاب اللہ سے براہِ راست کوئی سراغ نہ ملتا تو سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں اس مسئلے کی تلاش وجستجو کی جاتی۔ سنت رسول اللہ میں یہ خاص بات پیش نظر رہتی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری عمل اور آپ آخری رائے کیا تھی۔ آپ ہمیشہ اس کو اختیار فرماتے۔ اگر حجازی اور عراقی صحابہ کی مرفوع حدیثوں میں اختلاف ہوتا تو ثقہ راوی کی روایت کو ترجیح دیتے۔ اگر احادیث طیبہ سے بھی کوئی فیصلہ نہ ہوتا تو پھر اہل فتویٰ صحابہ اور فقہائے تابعین کے فیصلے اور اقوال تلاش کرتے اور جس امر پر فقہا صحابہ کا اجماع پایا جاتا اس کو اختیار کرلیتے۔ اگر یہاں بھی کوئی جواب نہ پاتے تو پھر چوتھے مرحلے پر قیاس اور استحسان کی طرف آتے اور ان کی روشنی میں مسائل کو حل کرلیتے۔ مسئلہ پر غور کرتے وقت یہ بھی دیکھتے تھے کہ مسئلہ سے متعلق نصوص میں ضابطہ کلیہ اور واقعات جزئیہ میں اگر تعارض ہوتا تو ضابطہ کلیہ کو ترجیح دیتے اور واقعہ جزئیہ کی توجیہ کرلیتے۔

ابوحنیفہ رحمہ اللہ علیہ سے پہلے فقہا اور محدثین کسی مسئلے کے وقوع پذیر ہونے سے پہلے اس مسئلے پر حکم لگانے کے بارے میں غور وخوض کو معیوب سمجھتے تھے مگر ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سب سے پہلے شخص ہیں جنھوں نے اس رجحان کے خلاف عمل کیا۔ چنانچہ فرماتے ہیں: اہلِ علم کو چاہیے کہ جن باتوں میں لوگوں کے مبتلا ہونے کا امکان ہے ان پر غور وفکر کریں تاکہ اگر وہ کسی وقت وقوع پذیر ہوں تو لوگوں کے لیے نئی اور انوکھی بات نہ ہو۔ امام ابوحنیفہ تقدیری فقہ کے موجد تھے۔ فرضی مسائل کے متعلق فتویٰ دیتے تھے۔ ان کا ماننا تھا کہ ہم مصیبت کے نازل ہونے سے قبل تیاری کرتے ہیں تاکہ اس کے واقع ہونے کے وقت ہمیں معلوم ہو کہ اس میں داخل ہونے اور ان کے اس سے نکلنے کی صورت کیا ہوسکتی ہے۔ (تاریخ بغداد)

تقریباً بائیس سال کی شبانہ روز سخت کاوش کے بعد امام صاحب کی مجلس تدوینِ فقہ کا مجموعۂ فقہی تیار ہوکر اہل علم کے ہاتھوں میں آیا۔ یہ مجموعہ 83 ہزار دفعات پر مشتمل تھا جس میں 38 ہزار مسائل عبادات سے متعلق تھے اور باقی 45 ہزار کا تعلق معاملات اور عقوبات سے تھا۔ اس میں انسان کے دنیوی کاروبار کے متعلق آئین وضوابط اور معاشیات وسیاسیات کے بارے میں تمام بنیادی امور موجود تھے۔ یہ مجموعہ 114 ہجری سے پہلے مکمل ہوچکا تھا مگر بعد میں اس میں اضافے ہوتے رہے۔ امام صاحب کی اسیری میں بھی یہ سلسلہ چلتا رہا۔ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے زمانہ میں جو مجموعہ فقہ مرتب ہوا تھا وہ معدوم ہوگیا۔ امام صاحب کے مسائل کا جو ذخیرہ آج دنیا میں موجود ہے وہ امام محمد اور امام ابویوسف کی تالیفات ہیں۔ یہ فقہ اگرچہ عام طور پر فقہ حنفی کہلاتی ہے لیکن درحقیقت وہ چار افراد یعنی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ، امام زفر رحمۃ اللہ علیہ، امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ اور امام محمد کی رایوں اور فتاویٰ کا مجموعہ ہے۔ فقہ حنفی اصولِ عقلی پر مبنی ہے۔ امام اعظم کے مطابق شریعت کے تمام احکام مصالح پر مبنی ہیں۔ فقہ حنفی نصوصِ شرعی کے مطابق ہے، فقہ حنفی کے مسائل قرآن اور احادیثِ صحیحہ سے ثابت ہیں۔ حنفی مذہب کوفہ میں پیدا ہوا۔ امام اعظم کی وفات کے بعد علما نے بغداد میں اس کو پڑھایا، اس کی عام اشاعت ہوئی اور اکثر ممالک میں پھیل گیا۔ مصر وشام، بلادِ روم و عراق اور ماوراء النہر تک وسیع ہوگیا پھر عربی ممالک کی حدود سے نکل کر سرزمین ہندوچین میں پھیل گیا، ہندوچین کے مسلمان اب تک عبادات اور اپنی خانگی زندگی سے متعلقہ معاملات حنفی مذہب کے راجح اصولوں پر عمل کرتے ہیں۔ براعظم افریقہ میں 405 ہجری تک حنفی مسلک جاری رہا۔ اس کے بعد فقہ مالکی وہاں کا سرکاری فقہ قرار پایا۔ حضرت امام ابن شریح جو امام شافعی کے مشہور تلمیذ ہیں، کے سامنے کسی نے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی برائی بیان کی تو امام ابن شریح خفا ہوگئے اور امام اعظم کی جلالتِ قدر کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ: دنیائے اسلام کی 88 فیصد آبادی حنفی مسلک سے وابستہ ہے اور بقیہ 12 فیصدی دیگر مسالک کی پیروکار ہے۔ محدث کبیر ملاعلی القاری، مرقاۃ المفاتیح فی شرح مشکوٰۃ المصابیح میں فرماتے ہیں کہ: ''دنیائے اسلام کی دوثلث آبادی اسی فقہ حنفی مسلک کی پیرو اور مرہونِ منّت ہے۔ محدث کبیر ملاعلی قاری اور محدث جلیل حضرت امام ابن شریح کے متذکرہ بالا بیانات امام اعظم کی جلالتِ شان میں ایک دستاویزی اور کلیدی بیان ہے جو منجانب اللہ امام اعظم کی عنداللہ مقبولیت کی کھلی دلیل ہے۔

امام شافعی اپنے شاگردوں کو اکثر امام اعظم کی رفعت شان سے باخبر کرنے کے لیے فرماتے تھے: ''**الناس کلّھم عیال ابی حنیفه فی الفقه**'' تمام لوگ فقہ میں ابوحنیفہ کے عیال ہیں۔

حضرت مجدد الف ثانی اپنے ایک مکتوب میں فرماتے ہیں: ''سواد اعظم از اہل اسلام متابعان ابی حنیفہ اند علیہم الرضوان'' اپنے اسی مکتوب میں مزید فرماتے ہیں کہ: عیسیٰ علیٰ نبیّنا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام بعد از نزول بمذہبِ امام ابوحنیفہ تحکم وعمل خواہد کرد۔'' (مکتوبات شریف)

امام عبداللہ بن مبارک کا قول ہے: ''لوگو! تم ابوحنیفہ کو اہل الرائے کہتے ہو حالانکہ ابوحنیفہ کا قول رائے نہیں بلکہ حدیث کی تفسیر ہوتی ہے'' (مناقب امام اعظم)

آپ مزید فرماتے ہیں: ''**مارأیت احداً فی الفقه مثل ابی حنیفه**'' ۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ جیسا مرتبہ والا فقیہ شخص فقہ میں کسی کو میں نے نہیں دیکھا۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے فیوض الحرمین میں ارشاد فرمایا ہے:

ترجمہ: مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتلایا ہے کہ مذہب حنفی میں عمدہ راستہ ہے اور جو سنت بخاری کے زمانے میں جمع ہوئی ہے اس سے زیادہ موافق ہے

یعنی صحیح حدیث سے امام جلال الدین سیوطی اور امام ابن حجر مکی کے زمانے تک محدثین نے اپنی کتب میں میں سات حدیثیں درج کی ہیں جو امام اعظم نے براہِ راست صحابہ کرام سے سنیں اور صحابی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنیں۔ گویا امام اعظم اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان صرف ایک واسطہ رہ گیا اور امام اعظم کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سماع صرف ایک واسطے سے ثابت ہوا۔ یہ شرف ائمہ فقہ وحدیث میں کسی کو نصیب نہیں ہے۔ امام بخاری، بخاری شریف میں جو سب سے اعلیٰ سند (کم سے کم واسطوں والی) روایت کرتے ہیں وہ تین واسطوں سے ہے۔ امام مسلم کے پاس چار واسطوں سے کم واسطے کی کوئی حدیث نہیں ہے۔ اسی طرح امام ترمذی، امام ابوداؤد اور ابن ماجہ وغیرہ سب کا عالم یہ ہے کہ ان کے پاس ایک دو اور تین واسطوں والی حدیث ہے ہی نہیں۔ امام بخاری کی ثلاثیات کی تعداد 22 ہے جبکہ امام اعظم کی احادیات 16، ثنائیات کی تعداد دو ہزار اور ثلاثیات کی تعداد چار ہزار ہے اور رُباعیات جو چار واسطوں کے ساتھ ہیں اتنی کثیر ہیں کہ ان کا شمار ہی نہیں۔ 17 احادیث کا طعنہ دینے والے متعصب اور عاقبت نا اندیش افراد یقیناً ان اعداد وشمار کی تحقیق کے بعد اپنے منطقی انجام تک پہنچ جائیں گے۔

امام اعظم کو یہ خوش نصیبی بھی حاصل ہے کہ آپ اپنے اکابر شیوخ تابعین کے کئی طرح اور واسطوں سے خلفائے راشدین اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات کے علاوہ عبادالله ثلاثہ حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت عبداللہ بن عمر کے علم وحدیث کے بھی وارث ہیں۔ امام اعظم وارثِ علم صدیق اکبر، وارثِ علم فاروق اعظم، وارثِ علم عثمان غنی اور وارثِ سیدنا مولانا علی ابن طالب اور وارثِ علم صحابہ ہیں۔ امام اعظم علم حدیث کے باب میں علم اہل بیت کے بھی وارث ہیں۔

ڈاکٹر طاہر القادری نے اپنی کتاب 'امام ابوحنیفہ امام الائمۃ فی الحدیث' میں علمی تحقیقات کی بنیاد پر سات طرق سے ثابت کیا ہے کہ امام اعظم خلفائے راشدین المہدین، حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان غنی اور بالخصوص کوفہ میں اقامت رکھنے والے چوتھے خلیفہ راشد حضرت علی مرتضیٰ اور فقیہ صحابی حضرت عبداللہ بن مسعود کے علاوہ دیگر اکابر صحابہ کرام کے علم الحدیث کے وارث ہوئے۔ امام اعظم کے شیوخ کی تعداد چار ہزار ہے اور ان میں سرفہرست صحابہ کرام اور تابعین ہیں۔ یہ انھی ائمہ عظام کے فیض کا اثر ہے کہ ابوحنیفہ نہ صرف فقہ بلکہ حدیث میں بھی رہتی دنیا تک امام اعظم کے لقب سے یاد کیے جائیں گے:

امام اعظم ابوحنیفہ کے مذہبی عقائد:

امام اعظم ابوحنیفہ کے مذہبی عقائد کے متعلق افکار ونظریات ہر طرح کے غلو اور مبالغہ سے پاک ہیں۔ آپ کے دینی عقائد اسلامی تعلیمات کی صحیح تعبیر تھے جن کو خلاصۂ دین اور روحِ یقین کہا جاسکتا ہے۔ آپ ان افکار ومسائل کے سمندر میں غوطہ زن رہ چکے ہیں جو آپ کے معاصر فرقوں کا مرکز ومحور تھے۔ آپ نے جدل ومناظرہ سے بھی کام لیا اور اس کی خاطر دُور دراز کی تکالیف بھی اُٹھائیں بلکہ یوں کہیے کہ آپ کی عملی زندگی کا آغاز اسی سے ہوا۔ بعد میں فقہ کی طرف توجہ کی اور بلاشبہ امام اہل الرائے قرار پائے لیکن اس کے بعد بھی جب علم وفضل اور دین ومذہب کے بارے میں آپ سے جدل وبحث کا تقاضا ہوتا تو آپ ایسا کرنے میں حرج نہ سمجھتے تھے۔ لہٰذا آپ سے ان معرکۃ الآرا مسائل کے بارے میں جن میں اس دور کے متکلمین مشغولِ بحث وجدل تھے، جو نظریات منقول ہیں وہ یہ ہیں: (1) ایمان کی حقیقت (2) مرتکب کبیرہ کا حکم (3) مسئلہ تقدیر (4) مسئلہ جبر واختیار۔

ان مسائل میں امام صاحب کے نظریات دو طریقوں سے ہم تک پہنچتے ہیں:

(1) بکھری ہوئی مختلف قسم کی قوی اور ضعیف روایات جن کی صحت وسقم میں امتیاز کیا جاسکتا ہے۔ (2) بعض وہ کتاب جو آپ کی طرف منسوب ہیں ان میں سے اوّلین کتاب الفقہ الاکبر ہے۔

ابن الندیم لکھتے ہیں: امام ابوحنیفہ چار کتابوں کے مصنف تھے: (1) الفقہ الاکبری (2) العالم والمتعلم (3) عثمان بتی کے نام ایک مکتوب جس کا موضوع ہے ایمان اور عمل کا باہمی تعلق (4) کتاب الردعلیٰ القدریہ۔ ان چاروں کتابوں کا موضوع علم عقائد اور کلام ہے۔ ان کتب کے مندرجہ ذیل مسائل سے اہلِ سنت وجماعت کے قواعد کی تائید ہوتی ہے۔ ہر حنفی مسلمان کے دل میں یہ آرزو تڑپتی ہے کہ فقہ حنفی کے بنیادی مسائل سے کچھ نہ کچھ واقفیت حاصل کرے۔ اس واقفیت کے حصول کا بہترین ذریعہ مسند 'امام اعظم' ہے جس میں حنفی مسلک کا ہر مسئلہ صاف طور پر سامنے آجاتا ہے اور بنیادی اسلامی عقائد کو بھی بیان کیا گیا ہے۔ ذیل میں امام اعظم ابوحنیفہ کے عقائد اور نظریات کے متعلق چند امور پر گفتگو کو یہاں نقل کیا جارہا ہے۔

تمام اعمال کا دار ومدار نیتوں پر ھے:

تمام اعمال کا دار ومدار نیتوں پر ہے۔ عن عمر بن الخطاب قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم الاعمال بالنیات و کل امرء مانویٰ. حضرت عمر نے کہا کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تمام اعمال کا دار ومدار نیتوں پر ہے اور ہر شخص کے لیے اس کی نیت کا پھل ہے۔ (مسند امام اعظم)

اس حدیث میں تعلیم ہے کہ ہر کام میں نیت واخلاص اہم ہے اور ہر عمل بغیر نیتِ خالص بے جان لاشہ اور بے روح بدن ہے۔ نیت ہی کی اہمیت کی وجہ سے

یہ حدیث پورے دین اسلام میں گویا بنیادی حیثیت رکھتی ہے کیونکہ ہر دینی عمل خواہ کسی قدر بھی بابرکت ہونیت کے فتور سے درجہ قبولیت سے گر جاتا ہے۔ محدثین کی عادت شریفہ ہے کہ اپنے مجموعہ احادیث کی ابتدا اکثر اسی حدیث سے کرتے ہیں۔ حدیث کے ہر طالب کو چاہیے کہ اس باعزت علم کو شروع کرنے سے پہلے اپنی نیت خالص اللہ کے لیے کرے۔ حنفی مسلک کے ماننے والوں کو سمجھنا چاہیے کہ نیت کو درست کرنا کتنا ضروری ہے۔

ایمان کی حقیقت:

فقہ اکبر میں مذکور ہے: ''ایمان اقرار اور تصدیق کو کہتے ہیں۔'' پھر اسلام کے بارے میں فرمایا ہے: ''اسلام کے معنی خدا کے اوامر و احکام کے سامنے سر تسلیم خم کرنا ہے۔ اگرچہ لغوی اعتبار سے ایمان اور اسلام میں فرق ہے مگر دینی لحاظ سے نہ ایمان اسلام کے بغیر پایا جاتا ہے اور نہ اسلام ایمان کے بغیر اور یہ دونوں ظاہر و باطن کی طرح ایک دوسرے کے لازم و ملزوم ہیں۔ لفظ دین کا اطلاق ایمان، اسلام اور جملہ احکام شرعیہ پر ہوتا ہے۔''

اس سے واضح ہوتا ہے کہ ایمان امام ابوحنیفہ کے نزدیک صرف قلبی تصدیق کا نام نہیں بلکہ قلبی تصدیق اور زبانی اقرار دونوں کو ایمان کہتے ہیں اور اس طرح ایمان اسلام کے ساتھ یوں جمع ہو جاتا ہے جیسے لازم و ملزوم۔ چنانچہ نہ ایمان اسلام کے بغیر عالم وجود میں آ سکتا ہے اور نہ اسلام ایمان کے بغیر۔ مسند امام اعظم میں مذکور ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایمان یہ ہے کہ: ''ان تومن باللّٰہ وملائکتہٖ وکتبہٖ ورسولہ ولقائہ الیوم الآخر والقدر خیرہ وشرہ من اللّٰہ تعالٰی'' یعنی اللہ پر ایمان لائے اور اس کے فرشتوں پر اور اس کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر اور اس پر کہ بروز قیامت اس سے ملاقات ہوگی اور اس پر کہ جو تقدیر بھلی ہے یا بری وہ اللہ ہی کی طرف سے ہے۔'' اسی طویل حدیث میں آگے شرائع اسلام کے بارے میں منقول ہے: نماز پڑھنا، زکوٰۃ ادا کرنا، حج بیت اللہ کرنا اگر وہاں جانے کی استطاعت رکھتا ہے، رمضان کے روزے رکھنا اور غسل جنابت کرنا۔ یہ حدیث دین اسلام کا خلاصہ ہے، ایمان باطنی عقیدہ کی ترجمانی کرتا ہے اور اسلام ظاہری عمل کی۔ ایمان انقیاد باطنی کو بتاتا ہے تو اسلام انقیاد ظاہری کو۔

ایمان اور اس کی اقسام بیان کرتے ہوئے ابومقاتل کے واسطے سے امام ابوحنیفہ سے منقول ہے:

''ایمان معرفتِ الٰہی اور اس کی تصدیق، اور اسلام اقرار کرنے کا نام ہے۔ تصدیق کے اعتبار سے انسانوں کے تین درجے ہیں:

(1) جو دل اور زبان سے اللہ تعالیٰ اور اس کے نازل کردہ احکام کی تصدیق کرتا ہو۔

(2) جو زبان سے تصدیق کرتا ہے مگر دل سے جھٹلاتا ہے۔

(3) جو دل سے تصدیق کرتا ہے اور زبان سے تکذیب کرتا ہے۔

پہلا شخص خدا اور مخلوق دونوں کے نزدیک مومن ہے۔ دوسرا شخص خدا کے نزدیک کافر اور لوگوں کے نزدیک مومن ہے کیونکہ لوگ اس کی قلبی کیفیت سے آگاہ نہیں اور شہادت کا اقرار کرنے کی وجہ سے وہ اسے مومن سمجھنے پر مجبور ہیں۔ انسان اس کے مکلّف نہیں کہ وہ قلوب کے حالات سے بھی واقف ہوں۔ جہاں تک تیسرے شخص کا تعلق ہے ممکن ہے کہ وہ اپنے بچاؤ کی خاطر کفر کا اظہار کر رہا ہو اور جو شخص اسے نہیں جانتا وہ اسے کافر سمجھے حالانکہ عنداللہ اس کے مومن ہونے میں شبہ نہیں۔''

مذکورہ بالا بیانات سے ظاہر ہے کہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک صرف قلبی تصدیق معتبر نہیں بلکہ زبان سے اقرار، تسلیم اور اظہار رضامندی ناگزیر ہے اور اگر ممکن ہو تو عوام الناس میں اس کا اعلان بھی ضروری ہے۔ اگر خوف کی وجہ سے رفقا کی ضرورت لاحق ہو یا بچاؤ کے لیے سکوت اختیار کرنا پڑے تو اس صورت میں قلبی تصدیق کو کافی سمجھا جائے گا۔ مسند امام اعظم میں متذکرہ بالا حدیث جبرئیل کہلاتی ہے صحاح میں کم و بیش انھی الفاظ سے کئی ایک جگہوں پر مروی ہے۔ اس میں شہادتین کا ذکر نہیں ہے تاہم ابن ماجہ کی روایت میں شہادتین کا ذکر ہے۔

اعمال جزو ایمان نہیں:

امام ابوحنیفہ کے نزدیک اعمال جزو ایمان نہیں۔ اس ضمن میں دو فریق آپ کے مخالف ہیں:

(1) معتزلہ و خوارج: کیونکہ وہ اعمال کو جزو ایمان سمجھتے ہیں اور جو عمل نہ کرے وہ ان کے یہاں مومن نہیں۔

(2) فقہا و محدثین کی ایک جماعت بھی آپ کے مخالف ہے۔ ان کا خیال ہے کہ چونکہ اعمال ایمان کی کمی بیشی پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ لہٰذا وہ تکوین ایمان میں داخل ہیں لیکن ایمان کے اصل وجود کے اعتبار سے نہیں۔ اس لیے اگر کسی شخص میں قلبی تصدیق وادعان موجود ہو مگر وہ شرعی احکام پر عامل نہ ہو تو وہ مومن کہلانے کا استحقاق رکھتا ہے۔ ہاں اتنا کہہ سکتے ہیں کہ اس کا ایمان کامل نہیں۔ اسی اصل پر ان کا یہ خیال مبنی ہے کہ ایمان کم و بیش ہو سکتا ہے۔ امام ابوحنیفہ کی رائے میں ایمان کم و بیش نہیں ہوتا۔

گناہ گاروں کے مدارج:

امام اعظم کا یہ نظریہ کہ گنہگار کافر نہیں کیونکہ اس میں اصل ایمان موجود ہے اسی قاعدہ پر مبنی ہے کہ ایمان ان کے نزدیک تصدیق کا نام ہے اور اس میں کمی بیشی کا امکان نہیں۔ علامہ ابن عبدالبر لکھتے ہیں۔''ابومقاتل کا قول ہے کہ میں نے ابوحنیفہ کو یہ کہتے سنا ہماری رائے میں لوگ تین مرتبہ کے ہوتے ہیں: (1) انبیاء اور ان کے وہ معتقدین جن کو وہ جنتی سمجھتے ہیں یہ لوگ اہل جنت میں سے ہیں۔ (2) مشرک

جو قطعی جہنمی ہیں۔ (3) عام مومن جن کے جنتی یا دوزخی ہونے کا حتمی فیصلہ صادر نہیں کیا جاسکتا ہے۔ ہم ان کے بارے میں توقف کرتے ہیں۔ بارگاہ ایزدی سے ان کی مغفرت کی امید بھی ہے اور مبتلائے عذاب کرنے کا خوف بھی۔ ان کے بارے میں ہم وہی کہتے ہیں جو خداوند تعالیٰ نے فرمایا: **خلطوا عملاً صالحاً واخر سیئاً عسی اللّٰہ ان یتوب علیھم۔** (التوبہ) ان میں نیک و بد اعمال کی آمیزش پائی جاتی ہے کچھ بعید نہیں کہ خدائے تعالیٰ ان کی توبہ قبول کرلے۔

فقہ اکبر میں ہے ہم کسی گناہ کے سبب مسلمان کی تکفیر نہیں کرتے اور نہ اس سے لفظ ایمان کو سلب کرتے ہیں وہ گناہ کبیرہ ہی کیوں نہ ہو جب تک کہ وہ اس گناہ کو جائز قرار نہ دے۔ امام اعظم کا یہ بیان ہر طرح قرین عقل و دانش ہے قرآنی وعد و وعید اس کی تائید کرتے ہیں اور علما فقہا اسے بنظرِ استحسان دیکھتے رہے ہیں۔ امام دارالہجرت امام مالک بھی امام ابوحنیفہ کے ہم خیال تھے۔ جمہور متاخرین مسلمانوں کا یہی عقیدہ رہا ہے صرف خوارج اور معتزلہ اس کے خلاف ہیں لیکن بایں ہمہ اس قول کی بنا پر علما کی ایک جماعت نے آپ کو ہدفِ ملامت بنایا اور مرجئی ہونے کا طعن دیا۔ فقہ اکبر میں ہے کہ آپ نے خود بھی اس الزام سے برأت ظاہر فرمائی اور اپنے مذہب اور مرجئہ کے قول میں فرق کی وضاحت کی ہے۔ فقہ اکبر میں ہے ہم یہ نہیں کہتے کہ گناہ مومن کے لیے ضرر رساں نہیں۔ یہ بھی ہمارا قول نہیں کہ وہ دوزخ میں نہیں جائے گا۔ ہم اس کے ابدی جہنمی ہونے کے بھی قائل نہیں وہ فاسق و فاجر ہی کیوں نہ ہوں بشرطیکہ اس کا خاتمہ ایمان پر ہو۔ ہم یہ بھی نہیں کہتے کہ ہماری نیکیاں مقبول اور ہمارے گناہ بخشے بخشائے ہیں جیسا کہ مرجئہ کا قول ہے۔''

مرتکب کبائر کے بارے میں اسلامی فرقے تین قسموں میں منقسم تھے:

(1) خوارج اور معتزلہ جو ان کو کافر سمجھتے تھے۔

(2) مرجئہ جن کا عقیدہ تھا کہ ایمان کے ہوتے ہوئے گناہ قطعی طور سے ضرر رساں نہیں اور خدائے تعالیٰ سب گناہ معاف فرمادے گا۔

(3) باقی سب علما جن کا عقیدہ تھا کہ عاصی کی تکفیر نہ کی جائے نیکی کا اجر دس گناہ ملے گا۔ برائی کی سزا اس کے برابر ہوگی۔

عفوِ خداوندی کسی خاص دائرہ تک محصور و محدود نہیں۔ امام ابوحنیفہ کا شمار اسی تیسرے گروہ میں سے ہوتا تھا۔ جمہور مسلمانوں کا یہی عقیدہ ہے اگر اس کے قائل کو مرجئہ کہا جاسکتا ہے۔ تو تمام مسلمان مرجئہ ہونے سے بری نہیں ہوسکتے۔ اندریں صورت معتزلہ کو چھوڑ کر تمام محدثین و فقہا اس زمرہ میں داخل ہوجائیں گے۔

تقدیر اور اعمال:

فرقہ قدریہ کی ایک جماعت سے بحث و مناظرہ کرتے ہوئے آپ نے فرمایا: ''کیا تم اس حقیقت سے آگاہ نہیں کہ تقدیر کی کھوج لگانے والا اور آفتاب درخشاں کی شعاع فروزاں کو دیکھنے والا دونوں یکساں ہیں۔ وہ جتنا زیادہ سورج کو دیکھے گا اس کی تحیر زائی بڑھتی جائے گی اس طرح مسئلہ تقدیر پر جس قدر غور و خوض کیا جائے گا وہ زیادہ پیچیدہ ہوتا جائے گا۔''

امام ابوحنیفہ قضا اور قدر کو دو جداگانہ چیزیں سمجھتے ہیں۔ قضا سے مراد وہ شرعی احکام ہیں جن کے بجالانے کا حکم ہمیں بذریعہ وحی ملا یعنی امر شرعی۔ تقدیر ان امور کا نام ہے جن کا فیصلہ اللہ نے روزِ ازل کیا اور اس فیصلے کے مطابق وہ امور جاری ہیں۔ (یعنی امر تکوینی) امر تکوینی کا مطلب یہ ہے کہ کائنات میں جو کچھ وہ کرنا چاہے وہ ہو کر رہتا ہے اور امر شرعی کا معنی یہ ہے کہ جس بات کو اللہ تعالیٰ پسند کرے اور جس سے وہ راضی ہو اس کا حکم دیتا ہے کہ فلاں فلاں کام کرو۔ المناقب مکی میں منقول ہے کہ امام ابوحنیفہ نے فرمایا: ''میں ایک متوسط بات کہتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ اسلام میں نہ جبر ہے نہ تفویض اور نہ تسلیط۔ خدائے تعالیٰ بندوں کو اس کام کا مکلّف نہیں کرتا جو ان کی استطاعت کی حدود سے باہر ہو اور جو کام وہ کرنہ سکیں وہ ان سے نہیں کرانا چاہتا اور کوئی کام کیے بغیر نہ اس کی سزا دیتا ہے اور نہ باز پرس کرتا ہے۔''

امام اعظم قضا و قدر کے مسئلے میں 'تقدیر خیر و شر' پر ایمان رکھتے تھے ان کا عقیدہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کا علم، ارادہ اور قدرت جملہ مخلوقات پر محیط ہے کوئی انسانی عمل، مشیت ایزدی کے بغیر وقوع میں نہیں آسکتا۔ انسان کے عبادات و معاصی کی نسبت (خَلق) اس کی طرف ہے لیکن صادر انسان کے اختیار و ارادہ سے ہوتے ہیں اور اسی بنا پر اس سے باز پرس ہوگی۔ اللہ تعالیٰ ذرّہ بھر ظلم نہیں کرتا۔ یہ قرآنی عقیدہ، کتاب اللہ کی محکم آیات سے ماخوذ ہے۔ امام ابوحنیفہ فرقہ جہمیہ کے نظریہ کے نظریۂ جبر کو بھی صحیح نہیں مانتے اور نہ ان کے اس خیال سے متفق ہیں کہ انسان سے جو افعال صادر ہوتے ہیں اس میں اس کے ارادہ کا کوئی دخل نہیں۔ صرف ارادے کا شعور و احساس اس میں پایا جاتا ہے۔ مسند امام اعظم میں منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''**القدریہ مجوس ھذا الامۃ وھم شیعتہ لدجال۔**'' قدریہ (جو تقدیر کو نہیں مانتے) اس امت کے مجوس ہیں اور وہ دجال کے ہمراہ ہی ہیں۔''

شفاعت:

مسئلہ شفاعت میں اہلِ سنت و جماعت اور معتزلہ کے درمیان اختلاف ہے۔ معتزلہ کا کہنا ہے کہ چھوٹے گناہ توبہ سے یا بلا توبہ معاف ہوجاتے ہیں اور کبیرہ گناہ بھی معاف ہوجاتے ہیں۔ معتزلہ اپنے مذہب کے ثبوت میں جن آیات قرآنی کو پیش کرتے ہیں وہ آیات کفار کے حق میں ہیں اس لیے انھیں کے ساتھ مخصوص رہے گی۔ یہاں بحث گنہگار مومنین کی ہے نہ کہ کفار کی۔ مومنین کے

گناہوں کی معافی بغیر شفاعت قرآن سے ثابت ہے جبکہ احادیث مشہورہ شفاعت کے ثبوت میں موجود ہیں۔ اذن کے بغیر کسی کو شفاعت کا حق نہیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تو اذن حاصل ہے اور قیامت میں بھی اذن حاصل ہوگا۔ پس ثابت ہوگیا کہ شفاعت حق ہے۔ امام اعظم شفاعت کے قائل تھے۔ مسند امام اعظم میں وارد ہے ''مقام محمود سے مراد شفاعت ہے اللہ تعالیٰ اہل ایمان کی ایک جماعت کو ان کے گناہوں کے سبب عذاب دے گا پھر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کے وسیلے سے ان کو نکالے گا، پھر وہ حیوان نامی نہر پر لائے جائیں گے تو جنت میں ان کا نام **الجھنمین** پڑ جائے گا۔ لہٰذا وہ اللہ تعالیٰ کے حضور اس بارے میں التجا کریں گے اور اللہ تعالیٰ ان کے اس نام کو مٹا دے گا اور اس روایت کے آخر میں عتقاء اللہ زیادہ کیا (یعنی وہ اس نام سے موسوم ہوں گے کہ اللہ کے آزاد کئے ہوئے۔''

مسند امام اعظم میں منقول ہے: ''**عن انس بن مالک قال: قلنا یارسول اللّٰہ لمن تشفع یوم القیامه قال لاھل الکبائر واھل العظام و اھل لدماء**'' حضرت انس بن مالک کہتے ہیں کہ ہم نے عرض کیا یارسول اللہ قیامت کے دن آپ کن کی شفاعت فرمائیں گے۔ آپ نے فرمایا اہل کبائر کی اہل عظائم کی اور جنھوں نے ناحق خون کیا۔

یہ حدیث اس امر کو واضح کرتی ہے کہ مرتکب کبیرہ مومن ہے اور شفاعت کا مستحق ہے لیکن کافر کی شفاعت نہ قرآن کریم سے ثابت ہے نہ حدیث مبارک سے۔ یہ حدیث کہ **شفاعتی لاھل کبائر من امتی** اس پر دال ہے۔ اس کی روایت امام احمد، ابوداؤد، ترمذی، ابن حبان اور حاکم نے اپنی مستدرک میں حضرت جابر سے اور طبرانی نے حضرت ابن عباس سے اور خطیب نے ابن عمر سے، غرض یہ حدیث بھی خوارج، معتزلہ اور مرجیہ کے خیالات باطلہ پر ایک کاری ضرب ہے اور ان کو سراسر لغو، باطل اور بے اصل ثابت کرتی ہے۔

مسئلہ خلقِ قرآن:

امام اعظم کے زمانہ میں بعض لوگوں نے خلق قرآن کا عقیدہ پھیلانا شروع کیا، وہ کہتے ہیں کہ قرآن اگرچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ہے مگر وہ خدا کی مخلوق ہے۔ اس عقیدہ کا بانی جعد بن درہم تھا جسے خالد عبداللہ والیِ خراسان نے قتل کیا۔ جہم بن صفوان بھی یہی عقیدہ رکھتا تھا اس مسئلہ میں آپ کا موقف متعین کرنے کے لیے دو روایتیں ذکر کرتے ہیں۔

پہلی روایت تاریخ بغداد میں مذکور ہے جس کے الفاظ یہ ہیں: ''ابوحنیفہ خلق قرآن کا عقیدہ نہیں رکھتے تھے نیز مذکور ہے: ابوحنیفہ، ابویوسف، زفر، محمد اور ان کے اصحاب وتلامذہ نے خلق قرآن کے بارے میں کچھ نہیں کہا۔ اس نظریہ کے قائل بشر المریسی اور ابن ابی داؤد تھے اور انھی لوگوں نے اصحاب ابوحنیفہ کو بدنام کیا۔ دوسری روایت ابن عبدالبر کی الانتقاء میں مذکور ہے کہ قرآن کے متعلق دریافت کرنے کے بارے میں امام اعظم نے فرمایا ''جزاکم اللہ خیرا'' میری وصیت یاد رکھیے۔ اس مسئلے میں نہ خود کسی رائے کا اظہار کریں نہ کسی سے دریافت کریں۔ صرف اتنا کہو یہ کلامِ الٰہی ہے اور اس میں ایک حرف بھی نہ بڑھا۔''

سارے ائمہ سلف عقیدۂ خلق قرآن کو گمراہی سمجھتے تھے۔ خود حضرت امام اعظم اور آپ کے دونوں قابلِ فخر شاگرد خلق قرآن کے عقیدہ کو کفر سمجھتے تھے، کتاب الاسماء والصفات (از امام بیہقی) میں امام ابویوسف سے بروایت ثقات مذکور ہے: **من قال القرآنُ مخلوق فھو کافر**. اور امام محمد سے منقول ہے: **من قال القرآنُ مخلوق فلا تصل خلفه ایضاً**۔ اور یہی رائے سب ائمہ سنت کی ہے کہ جن کو خود قائلین قرآن بدعتی فرقوں سے سابقہ پڑا تھا اور وہ اس متبدع عقیدہ کی حقیقت اور اس کا جو خراب اثر اسلامی معاشرہ پر پڑ رہا تھا اس سے بخوبی واقف تھے۔ بعد میں آنے والے دلدادگانِ علم کلام خصوصاً ہمارے دور کے متکلمین کی رسائی ان حقائق تک مشکل ہے لہٰذا متکلمین کے مقابلہ میں ائمہ اہل سنت و جماعت کے ارشادات ہی اس بارے میں سند ہوسکتے ہیں۔ عقیدۃ الطحاوی میں قرآن کے بارے میں اہلِ سنت و جماعت کا عقیدہ یوں منقول ہے ''اور نہ ہم قران کریم کے (ظاہر اور معانی) میں جھگڑا کرتے ہیں اور ہم گواہی دیتے ہیں کہ یہ رب العالمین کا کلام ہے جس کو روح الامین (جبرئیل) لے کر اُترے پھر سیّد المرسلین محمد صلی اللہ علیہ وسلم وآلہ واصحابہ اجمعین کو یہ کلام سکھایا اور یہ کلام الٰہی ہے مخلوق کا کلام اس کے مساوی نہیں ہوسکتا اور نہ ہم اس قرآن کو مخلوق کہتے اور ہم کسی بھی مسئلہ میں جماعت مسلمین کی مخالفت نہیں کرتے۔''

خلفائے راشدین:

امام ابوحنیفہ کی رائے میں حضرت عمر کا درجہ حضرت ابوبکر کے بعد تھا۔ البتہ حضرت عثمان کو حضرت علی پر درجہ کے اعتبار سے مقدم نہیں سمجھتے تھے۔ لیکن یہ قول امام ابوحنیفہ کا نہیں بلکہ ابراہیم نخعی کا ہے۔ مناقب کردری میں حضرت عثمان کو فضیلت کے تیسرے درجہ پر ذکر کر کے لکھا ہے **وھو الاصح فی مذھب الامام**۔ (حنفی مذہب کا صحیح قول یہی ہے)

شرحِ عقیدۃ الطحاوی میں خلفائے راشدین کے متعلق اہلِ سنت و جماعت کے عقیدہ کی یوں تصریح کی گئی ہے: ''تمام صحابہ میں افضل خلفائے راشدین ہیں اور حلفائے راشدین میں بلکہ انبیا کے بعد سب سے افضل حضرت ابوبکر، پھر عمر، پھر عثمان، پھر علی ہیں۔ خلافت کی ترتیب فضیلت ترتیب کے مطابق ہے۔ ان چاروں صحابہ کی خلافت کے حق ہونے پر امت کا اجماع ہے ''**وھم الخلفاء الراشدون والائمة المھدیون**'' اور یہ خلفائے راشدین اور ہدایت یافتہ امت کے امام ہیں۔ □□

پروفیسر سید عبدالرحمٰن شاہ بخاری ☆

عہد جدید میں مطالعۂ سیرت النبی ﷺ

آخری قسط

مطالعۂ سیرت حریم قدس میں باریابی کی کلید:

حضورِانور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم رحمۃ للعالمین ہیں۔ کائنات کے ہر ذرّے، ہر قطرے کے لیے رحمت۔ چنانچہ آپ کے وسیلے کے بغیر نہ وجود کی نعمت کسی کو ملتی ہے اور نہ زندگی کسی کی قائم رہ سکتی ہے۔ حضور اقدس کی پاکیزہ نسبت ہمارے لیے جینے کا سہارا ہے۔ یہی ہماری منزل اور یہی ہماری پہچان ہے۔ جدید نفسیات کی اصطلاح میں حقیقی پہچان (Real Identity) ایسی پہچان جو انسان کے اندر اپنے ہونے کا اعتماد پیدا کرتی ہے۔ ماہرین نفسیات کے الفاظ میں:

"This sense of identity provides the ability to experience onceself as something that has continuity and sameness and to accordingly." (Childhood & Society)

یعنی شعورِنسبت اور احساسِ شناخت کا یہی وہ عنصر ہے جس سے انسان اپنے ہونے کے تسلسل اور وحدت کا تجربہ پاتا ہے اور جس کے مطابق عمل کرتا ہے۔

ماہرینِ نفسیات آدمی کے اندر اعتمادِ ذات پیدا کرنے کے لیے جس قسم کی برتر نسبت اور شناخت (Super Identity) سے اس کا تعلق جوڑنا چاہتے ہیں، اس کائنات میں وہ نسبت تنہا نبی اعظم وآخر حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ہے۔ بنابریں انسان اگر شعورِ ذات سے بہرہ ور ہونا چاہتا ہے تو اس کے سامنے بجز اس کے اور کوئی راہ نہیں کہ جہاں تک ہو سکے وہ اپنے افکار وتصورات اور اعمال وکردار کو اسوۂ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے سانچے میں ڈھالنے کی پوری کوشش کرے۔ صرف اسی طرح وہ اپنے وجود کا داخلی مرکز دریافت کرسکتا ہے اور حیات وکائنات کی آخری منزل تک سفر کرسکتا ہے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ذاتِ اقدس اور سیرتِ طیبہ مومن کے لیے خود اس کے اپنے وجود کی گہرائی اور گیرائی سے بھی زیادہ محیط، زیادہ قریب اور زیادہ عزیز ہے۔ جیسا کہ فرمایا: اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِہِمْ۔ (احزاب:6)

''یعنی حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم مومنوں کے لیے ان کی جانوں سے بھی زیادہ قریب ہیں۔''

دین بہت چیزوں کا مجموعہ ہے اور ہر چیز اپنی جگہ اہمیت رکھتی ہے لیکن ایمان سب سے بڑھ کر اہم ہے اور ایمان کا جوہر (Essence of Faith) محبت ہے۔ خدا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی محبت۔ یہ دونوں محبتیں لازم وملزوم ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے خود قرآنِ حکیم میں اپنا دوٹوک فیصلہ سنا دیا ہے کہ خدا سے محبت کا دعویٰ اس کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی محبت واتباع کے بغیر بے معنی ہے: قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِی ۔ (آلِ عمران:31) تو صاف کھلا کہ حبِّ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے بغیر حبِّ خدا قبول نہیں۔

دین میں عقائد واعمال کی طرح جذبوں کی دنیا پر بھی محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی حکمرانی ہے۔ اسلام اپنے ماننے والوں کو روحانیت میں ڈوبا ہوا دیکھنا چاہتا ہے اور اسلامی روحانیت کا جوہر عشقِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا جذبہ ہی ہے، جو ایمان کی کھیتی کو ہرا بھرا رکھتا ہے۔ قرآن وسنت کا اٹل فیصلہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی اطاعت ہی خدا کی اطاعت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی محبت ہی خدا کی محبت ہے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی یاد (درودِ پاک) ہی خدا کی یاد ہے۔ نامور اسلامی مفکر عیسیٰ نور الدین (فرتھجوف شواں) نے لکھا ہے:

"Prophet is Islam.. love of the Prophet constitutes a fundamental element in Islamic fundamental element in Islamic spirituality. It arises because muslims see in the prophet the prototype and model of the virutes which make the theomorphism of man and the beauty and equilibrium of the universe."(Understanding Islam. p 91, 95)

یعنی پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ذات ہی اسلام ہے۔ آپ کی محبت اسلامی روحانیت کا ایک بنیادی عنصر ہے۔ اس محبت کا سرچشمہ یہ ہے کہ مسلمان آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ذاتِ گرامی میں ان تمام جوہری اوصاف وخصائص کا اوّلین معیار اور اساسی نمونہ دیکھتے ہیں جو انسانی فطرت اور کائنات دونوں میں توازن اور رعنائی قائم رکھے ہوئے ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی پیروی انسان کی زندگی پر اثرات

ڈالتی ہے۔ ہم اپنی روز مرّہ زندگی کے معمولات میں پیرویِ سنت کو ملحوظ رکھیں گے تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ عمل کی ہر ہر صورت میں ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عملی زندگی پر غور وفکر کرنے کی عادت ڈالیں گے کیونکہ ہمیں اپنے تمام اعمال کا جائزہ لینا ہے اور اپنی پوری زندگی میں یہ دیکھنا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت و پیروی کا مقصد پورا ہورہا ہے یا نہیں۔ اس طرح گویا ہمارے روزمرہ مشاغل میں کائنات کی عظیم ترین ہستی کا شخصی اثر ونفوذ منعکس ہوگا اور یہی وہ روحانی اثر ونفوذ ہوگا جو ہماری زندگی کی مشینری کو متحرک رکھے گا۔

اس سے ایک فائدہ یہ ہوگا کہ ہم ہر حال اور ہر کیفیت میں شعوری یا غیر شعوری طور پر محبوبِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ اقدس سے ایک مضبوط قلبی و روحانی نسبت اور ایک گہرے فکری وجذباتی تعلق سے سرشار رہیں گے۔ یہ قرب ونسبت ہر نازک موقع پر ہمارے لیے زندگی، حرارت اور حرکت وعمل کی بھرپور قوت وتوانائی کا سرچشمہ قرار پائے گا۔ اس کا دوسرا بڑا فائدہ یہ ہوگا کہ شخصیت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اثر ونفوذ ہماری فکری و روحانی تربیت اور تعمیرِ سیرت وشخصیت میں انتہائی فعال اور موثر کردار ادا کرے گا۔ ہماری فطرت کے اندر جس قدر صلاحیتیں ودیعت ہیں ان کی بالیدگی اور نشو ونما کے بھرپور مواقع فراہم کرے گا۔ ہمیں فکر وعمل کے ہر میدان میں انتہائی کامل اور متوازن نمونے پر ڈھال دے گا۔

اتباعِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک ایسا جذبہ ہے، جس کی بدولت ہم اپنی زندگی کا لمحہ لمحہ عبادت میں ڈھال سکتے ہیں۔ اس کے لیے ہمیں زیادہ کچھ نہیں کرنا۔ ہر وقت ہم کچھ نہ کچھ عمل تو ویسے بھی کر رہے ہوتے ہیں۔ کھانا، پینا، پہننا، بولنا، چلنا، خریدنا، بیچنا سب ہمارے اعمال ہی تو ہیں۔ ان اعمال کو عبادت بنانے کے لیے ہمیں صرف اتنا کرنا ہے کہ طریقۂ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنا لیں۔ نیت پیروی کی ہو اور جذبہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت کا۔ بس اتنا خیال رہے کہ محبت کے بغیر اتباع محض دھوکہ ہے۔ خدا کو ہماری جانب سے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صرف پیروی نہیں چاہیے، بلکہ وہ پیروی چاہیے جو محبت میں ڈوبی ہو۔ خدا تعالیٰ پہلے ہمارے دل کو پرکھتا ہے اور پھر عمل کو۔ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کے محبوب ہیں، اس لیے خدا تعالیٰ ہم سے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت کا مطالبہ پہلے کرتا ہے اور اس کے بعد پیروی کا۔ محبت پیش شرط (Pre-requisite) ہے اطاعت کی۔ محبت ہو اور اطاعت نہ ہو تو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہمارے تعلق میں کمزوری ہے جو دور ہو سکتی ہے۔ اگر اطاعت ہو اور محبت نہ ہو تو سرے سے تعلق ہی موجود نہیں۔

اللہ تعالیٰ اپنے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ہمارا جس قسم کا تعلق چاہتا ہے وہ تعلق تو سچی اور والہانہ محبت کے بغیر شروع ہی نہیں ہو سکتی۔ اگر ہمیں دین اپنا نہیں گڑھنا، بلکہ خدا کے بنائے ہوئے دین پر چلنا ہے تو یاد رکھیے کہ خدا کے دین کا پہلا قدم محبت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے اور یہ بھی مت بھولیے کہ محبت کسی عقلی رویے کا نام نہیں۔ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ 'حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ عقلی محبت ہونی چاہیے، طبعی محبت نہیں'۔ گویا ان لوگوں کے نزدیک محبت کسی اقرارنامے پر دستخط کرنے یا کوئی اعلامیہ پڑھ کر سنانے کا نام ہے۔ عقلی محبت کیا ہے؟ حضورِ اکرم کو اپنا محبوب ماننا۔ اور بہت فرق ہے کسی کو 'محبوب' ماننے' اور 'محبوب' بنانے' میں۔

اللہ تعالیٰ تو ہم سے یہ چاہتا ہے کہ اس کے محبوب کو اپنا محبوب بنالیں اور خود ان کے عاشق زار بن جائیں۔ یوں کہ دل کی دھڑکن میں وہی بسے ہوں اور روح کی پاتال میں انہی کا نور جگمگائے۔ سانسوں کی تپش میں وہ ہوں، نبضوں کے ارتعاش میں وہ، چہرے کی شادابی اور من کا گداز انہی سے ہو۔ پیاس وہی، سیرابی بھی وہی ہوں۔ درد وہی، شفا بھی وہی ہوں۔ لب کھلیں تو انہی کا نام ابھرے اور زبان ہلے تو انہی کا ذکر چھلکے۔ آنسو بہیں تو انہی کے درد کی رم جھم ہو اور تبسم انہی کے پیار کی خوشبو۔ رتجگے انہی سے ہوں اور ریاضتیں انہی کے نام۔ علم وفکر کا حاصل وہ ہوں، حسنِ عمل کا محور بھی وہی ہوں۔ سب رشتے وتعلق انہی سے ہوں اور بغض ومحبت انہی کے ناطے۔ جان ومال نثار ہوں ان پر، جینا مرنا انہی کی خاطر۔ بس یہی ہے محبت اور یہی دین وایمان۔ اور دین وایمان کی اس منزل تک رسائی کے لیے ہمیں نفس نفس 'مطالعۂ سیرت' کو اپنا شیوہ بنانا ہوگا۔ مطالعۂ سیرت ہی رفتہ رفتہ ہماری کشتِ جاں میں مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی چاہتوں، محبتوں، وفاؤں اور ولولوں کی لہلہاتی فصل اگا دے گا۔

وجہ یہ ہے کہ حضور نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرتِ مطہرہ انسان کی تربیت ورہنمائی، تزکیۂ نفس اور تعمیرِ شخصیت کا سب سے بڑا، مؤثر اور طاقتور ذریعہ ہے۔ قرآن حکیم کے ربّانی کلمات کے بعد انسان کے قلب ودماغ کے لیے سب سے زیادہ اثر انگیز اور حیات آفریں سرچشمہ یہی تو ہے۔ سیرتِ نبوی کا مطالعہ انسان کے ذہن وفکر کو سنوارتا اور اخلاق وکردار کو نکھارتا ہے۔ اس سے دلوں کا زنگ اترتا اور ایمان کا نور ابھرتا ہے۔ اس سے روح کو سکون ملتا اور ذوق وشوق پروان چڑھتا ہے۔ اس سے آدمی کو اپنی پاکیزہ فطرت اور ایمانی شخصیت کا سراغ ملتا ہے۔ اس کے وجود میں

لافانی قوت اور انمول توانائی بھر جاتی ہے اور وہ دنیا میں جنت کی پاکیزہ ہواؤں میں سانس لینے لگتا ہے:

یہ ان کی سیرتِ کامل کا فیض ہے جس نے
ضمیر آدم خاکی میں بجلیاں بھردیں

مطالعۂ سیرت سے زندگی میں رحمتوں کا عکس جھلملائے:

انسانی شخصیت کی نشوونما جنگل کے کسی خودرو پودے کی طرح نہیں ہوتی کہ جس کی شاخیں اپنے اندرونی جوشِ نمو کی بدولت ایک بے ہنگم طریقے سے بڑھتی اور پھیلتی چلی جاتی ہیں۔ کسی قسم کی تربیت ہے نہ ڈھب۔ کوئی حسن ہے نہ سلیقہ، انسانی روح کی بالیدگی کے لیے ضروری ہے کہ کسی نشوونما یافتہ ذات (Developed Personality) سے اس کا رشتہ جڑ جائے اور نشوونما یافتہ ذات صرف پیغمبر ہی کی ہوتی ہے۔ انسان خدا کی تخلیق کا شاہ کار ہے۔ اس لیے خدا نے اسے زمین پر اُتارنے کے ساتھ ہی اس کی تربیت اور تعمیرِ شخصیت کا بہترین انتظام کر دیا تھا۔ پہلا انسان پہلا پیغمبر بھی تھا۔ اس سے یہ بات ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس دھرتی کے سینے پر انسان کی ایک سانس اور اس کے دل کی ایک دھڑکن بھی نبوت کی رہنمائی اور تاثیر و نفوذ کے بغیر گوارا نہیں کی۔

اس سے ایک پیہم سلسلۂ بعثت و ہدایت شروع ہوا۔ ہر عہد اور ہر قدم میں پیغمبر آتے رہے تا کہ آدم کی اولاد نفس نفس پیغمبروں کی رہنمائی میں جیے اور قدم قدم ان کی پیروی میں چلے۔ یہی انسانی شخصیت کی تعمیر اور نشوونما کا اُلوہی منہاج ہے۔ خدا تعالیٰ چاہتا ہے کہ انسان کی زندگی ایک ہی سانچے میں ڈھلے اور یہ سانچہ خدا نے اپنے پیغمبروں کے ذریعے اُتارا جس کی آخری اور اعلیٰ ترین شکل حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرتِ طیبہ ہے۔ اب قیامت تک اولادِ آدم کی تربیت اور تعمیرِ نفوس کے لیے یہی ایک کامل ماڈل ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلاً مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيَاتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ۔ (آل عمران:164)

''یقیناً بڑا احسان فرمایا اللہ نے مومنوں پر جب اس نے بھیجا ان میں ایک رسول انھیں میں سے۔ پڑھتا ہے ان پر اللہ کی آیتیں اور پاک کرتا ہے انھیں اور سکھاتا ہے انھیں قرآن اور سنت۔''

حضور خاتم النّبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرتِ مطہرہ اسلامی تہذیب وثقافت کی بنیاد اور ہمارے نظامِ فکر وعمل کا سرچشمہ ہے۔ اس کے بغیر ادیانِ عالم میں اسلام کا امتیاز اور امتِ مسلمہ کا جداگانہ تشخص ممکن ہی نہیں۔ امتِ مسلمہ کی ذات وصفات اور ذوق ومزاج کی نمود اسی ذاتِ گرامی سے ہوئی اور چودہ صدیوں پر محیط اسلامی تہذیب وتاریخ کا ہر دائرہ اسی کمالِ سیرت کی عملی تجسیم ہے۔ اس اعتبار سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیاتِ طیبہ دین اسلام کی صحیح اور مکمل تصویر ہے۔ آپ کی زبانِ مبارک سے الہامی ہدایت کا آخری پیغام کتابِ زندہ قرآن حکیم کی صورت میں انسانیت کو سامعہ نواز ہوا اور آپ ہی کے اقوال واعمال نے اس ہمہ گیر وہمہ جہت انقلاب کو عملی جامہ پہنایا جو اس الہامی ہدایت کا نصب العین ہے۔ یوں حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرتِ مقدسہ اپنی ظاہری وباطنی وسعتوں اور پہنائیوں کے لحاظ سے ایک فرد کی سوانح نہیں بلکہ دنیا کی عظیم ترین تہذیب کا پیکر، دینِ حق کا سرچشمہ اور پوری کائنات کے لیے دائمی دستورِ حیات ہے۔

ظلمتِ دہر میں بھٹکے ہوئے انساں کے لیے
از ازل تابہ ابد نور کی دھارا تو ہے

زندگی اسلام کے ہدایتی سانچے میں مکمل طور پر تبھی ڈھل سکتی ہے جبکہ قرآن حکیم کی نظری تعلیمات کے ساتھ اسوۂ حسنہ کے درخشندہ عملی نقوش کی بھی کامل اتباع کی جائے، کیونکہ سیرتِ طیبہ قرآن حکیم کی تفسیر اخلاقِ حسنہ کی عملی تجسیم (Personifidation) نظر آئے۔ ہماری زندگی کی ہر حالت اور ہر کیفیت ان کے رنگ میں رنگی ہو۔ یہی صبغۃ اللہ (اُلوہی رنگ) ہے کہ ہم جب تک جئیں، ان کی شخصیت کا آئینہ بن کر رہیں۔ خدا کی عبادت کریں تو ان کی اداؤں میں ڈوب کر اور مخلوقِ خدا سے پیار کریں تو ان کی رحمتوں کا پیکر بن کر۔ غرض ہم جب اور جہاں کسی کو نظر آئیں، اسوۂ مصطفیٰ کا حسین روپ جھلملا رہا ہو۔ یہی خدا کی منشا ہے اور یہی ہماری زندگی کا مقصد۔ جدید علم النفس کی زبان میں اسے Mirroring سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ Mirroring کی تعریف یوں کی گئی ہے:

"Adopting other person's behaviour as though you were a mirror image." (Unlimited power p.358)

یعنی کسی دوسرے انسان کے طرزِ فکر اور طریق عمل کو عقیدت ومحبت کے ساتھ اس طرح اپنی شخصیت وکردار میں سمو لینا اور اس انداز سے اس کی پیروی کرنا کہ گویا آپ اس ہستی کا ایک عکس آئینہ بن گئے ہوں۔

اتباع وپیروی اگر دوسرے شخص کے نقشِ قدم پر چلنے کا نام ہے تو دوسرا وہ شخص کوئی بھی ہوسکتا ہے، لیکن پیروی کچھ ایسی ہو کہ ایک آدمی اپنی پوری شخصیت دوسرے کے نمونۂ عمل میں ضم کر دے، خود اس پر نچھاور ہو جائے تو واضح ہے کہ انسانوں کی دنیا میں اس انداز کی پیروی صرف اور صرف انبیائے کرام علیہم السلام ہی کے فکر وعمل کی ہوسکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ

مقام انبیائے کرام علیہم السلام کے علاوہ کسی کو دیا ہی نہیں۔ محبت تو انسان کو اپنے ماں باپ، استاد اور مرشد سے بھی ہو سکتی ہے لیکن محبت اور پیروی دونوں اس انتہا (entirety) کے ساتھ یکجا ہو جائیں کہ آدمی کی اپنی شخصیت بالکل گم اور فنا ہو جائے، کچھ یوں کہ اس کی زندگی اپنے محبوب و مطاع کی ہستی کا ایک عکس آئینہ (Mirror Image) بن جائے، ایسی محبت و پیروی صرف انبیائے کرام علیہم السلام کی ہو سکتی ہے۔ انسانی فطرت کا تقاضا بھی یہی ہے اور مشیت الٰہی کا فیصلہ بھی اور اب جبکہ حضور خاتم النّبیین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ذاتِ گرامی میں سب انبیا کی سیرتیں جمع ہو چکی ہیں اور نسل آدم کے لیے آخری کامل ترین اور محفوظ ترین نمونہ بس آپ کی ذاتِ گرامی ہے، تو کیوں نہ ہم کہیں کہ سیرتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے مطالعہ و اتباع کے بغیر زندگی کا ہر راستہ محض گمراہی ہے۔

شاید اسی کا نام ہے توہین جستجو
منزل کی ہو تلاش، ترے نقشِ پا کے بعد

مطالعۂ سیرت جمالیاتی احساس کی زیبائیاں من میں انڈیلے:

انسانی فطرت کے جو مخفی گوشے رفتہ رفتہ آشکار ہو رہے ہیں ان میں سے ایک جمالیات رویہ (Aesthetic Attitude) ہے۔ عام طور پر لوگ سمجھتے ہیں کہ انسانی زندگی پر شعور (congnition) کی گرفت غالب ہے، لیکن ایسا نہیں ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ ہماری زندگی کا غالب حصہ جذبوں (Emotions) کے تابع ہے اور جذبوں کا تعلق جمالیاتی احساس سے ہے۔ اگر انسان کا جمالیاتی احساس پوری طرح بیدار ہو تو اس کی زندگی میں دن بہ دن نکھار بڑھتا جاتا ہے۔ مذہب انسان کے جمالیاتی احساس سے کام لے کر اپنی تعلیمات اس کے جذبوں میں انڈیل دیتا ہے۔ مذہبی شعائر اور روایت کا سارا تقدس (Sanctity) آدمی کے جمالیاتی رویوں ہی کی راہ سے زندگی میں نفوذ پاتا ہے۔ معبودِ مطلق اور پیغمبر برحق صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور کلام الٰہی سے گہری اور شدید محبت ایک جمالیاتی رویہ ہی تو ہے۔ عبادات اور دینی مراسم میں والہانہ جوش اور فریفتگی بھی اسی کا مظہر ہے۔

اسلام تو خیر ہے ہی روحانیت اور محبت کا دین۔ اس کی تعلیم کا جوہر ہے خدا کی شدید ترین محبت 'وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ' (بقرہ:165) رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے والہانہ پیار "اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ" (احزاب:6) عبادت کرو تو یوں کہ خدا کے دیدار میں گم ہو جاؤ: ان تعبد اللّٰہ کانک تراہ. (صحیح بخاری، کتاب الایمان 18/1) اور کلامِ الٰہی پڑھو، سنو تو اس طرح کہ دل تڑپ اُٹھے، رونگٹے کھڑے ہو جائیں اور آنکھیں برس پڑیں: اِذَا يُتْلٰى عَلَيْهِمْ يَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ سُجَّدًا (اسراء:107) یہی والہانہ، جذب انگیز اور وجد آمیز کیفیت (Ecstatic adoration) اسلام کا ہر عبادت، ہر عمل چاہتا ہے۔ خواہ یہ عمل تعلق باللہ کی نوعیت رکھتا ہو یا تعلق بالرسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ذاتِ گرامی سے ہمارے جمالیاتی تعلق کی بنیاد ایک ہی ہے: "یعنی عشق و محبت" اور اس کے اَن گنت حوالے ہیں۔ ایک حوالہ ہے: "نعتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم" نعت لکھنا، نعت پڑھنا اور نعت سننا۔ یہ تین ایسی حالتیں ہیں جن میں سے کوئی نہ کوئی حالت ہر اہلِ ایمان کی لازماً ہونی چاہیے، ورنہ اندیشہ ہے کہ اس کے وجود کی تمام اندرونی لطافتیں رفتہ رفتہ دَم توڑنے لگیں گی۔ اس کی شخصیت کے باطنی جواہر نشوونما سے محروم ہو کر فساد کے عوامل میں ڈھلتے چلے جائیں گے اور اس کے جذبوں کی کائنات پر دھیرے دھیرے افسردگی، یاس اور قنوطیت (Pessimism) کی پرچھائیاں حاوی ہو جائیں گی۔

نعت، ذکرِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ایک آہنگ ہے۔ خدا نے اپنے محبوب کا ذکر بلند کر دیا ہے۔ اس کائنات میں ہر سو، ہر آن ذکرِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی مہک پھیل رہی ہے۔ دین کا کوئی حکم ذکرِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے خالی نہیں۔ ہر عمل کی ادائیگی میں تصورِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ناگزیر ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ذکر، تصور اور محبت دین کا جوہر ہے اور اس کے اظہار کی ایک انتہائی پاکیزہ شکل نعت ہے۔ ایسا اظہار جس کا الہامی رُوپ قرآن ہے۔ اور جسے خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے دین کا حصہ بنا دیا۔ حضرت حسّان کو اپنے منبر پر بٹھا کر نعت سنی اور دعاؤں سے نوازا۔ حضرت کعب سے نعت سنی اور اپنی چادر عنایت فرمائی۔ یہاں سے نعت اہلِ ایمان کی سرشت میں داخل ہو گئی اور محبتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی پہچان بن گئی۔ یہاں تک کہ شیخ ابن تیمیہ جیسی شخصیت بھی یہ کہے بغیر نہ رہ سکی:

قیام المدحة والثناء علیه والتعظیم والتوقیر له اقیام الدین کله وسقوط ذلک سقوط الدین کله۔ (الصارم المسلول علیٰ شاتم الرسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم، ص235) "یعنی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی مدح وثنا (نعت) اور تعظیم و توقیر کا اہتمام کرنا پورے دین کو قائم کرنا ہے اور اسے ضائع کر دینا سرے سے پورے دین ہی کو ضائع کر دینا ہے۔"

بات یہ ہے کہ دین بارگاہِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تک رسائی کا نام ہے۔ اور نعت اس رسائی کا مؤثر ذریعہ ہے۔ نعت درودِ پاک کی ایک صورت اور مذہبی شاعری کی معراج ہے۔ نعت میں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ذکر، تصور، یاد اور محبت سب کچھ موجود ہے۔ نعت کے بغیر دین

محض ایک زہد و تشقف بن جاتا ہے اور مجھے تو یہ بات کسی طور سمجھ نہیں آتی کہ ایک مسلمان نعت کے بغیر جی کیسے سکتا ہے؟ کچھ ناسمجھ ایسے بھی ہیں جو آج کل روشن خیالی کے گھمنڈ میں عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور نعتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے بیزاری پھیلا رہے ہیں، لیکن واقعہ یہ ہے کہ لوگ اور بھی زیادہ نعت کے قریب آتے جا رہے ہیں۔ یہ سب نام محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی کشش ہے۔ کائنات کی ہر کشش سے زیادہ:

لب پہ نام آتا ہے روح مسکراتی ہے
زندگی بہاروں میں ڈوب ڈوب جاتی ہے

نعت کہنے، پڑھنے اور نعت سننے کا ذوق وشوق اور رجحان دن بہ بدن بڑھتا جا رہا ہے۔ یہ مشیتِ الٰہی کا خاص اہتمام ہے تاکہ روشن خیالی اور عقلیت پرستی کے فتنے کا سدِ باب ہو سکے۔ روشن خیالی محبت سے بھاگتی ہے۔ اور نعت، محبتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی انتہا ہے۔ اس طرح جوں جوں نعت پھیلتی ہے، محبت بڑھتی جاتی ہے اور روشن خیالی کے اندھیرے چھٹتے چلے جاتے ہیں۔ روشن خیالی طبیعت کو ذاتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے دور کرتی ہے اور نعت اسے واپس دہلیزِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر لا کر ڈال دیتی ہے۔ روشن خیالی حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے عقلی تعلق کی بات کرتی ہے اور نعت اس تعلق کو روح کی گہرائیوں میں اُنڈیل دیتی ہے اور جوں جوں اس تعلق کی گہرائیاں بڑھتی جاتی ہیں، توں توں آدمی کے شعور و احساس میں سیرتِ طیبہ کے مطالعہ اور اتباعِ سنت کا جذبہ اُبھرتا جاتا ہے۔

پس قارئین محترم! جان لیجیے کہ نعتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم در حقیقت ایک جمالیاتی رخ ہے مطالعۂ سیرت کا۔ نعت ایک طرف تو انسان کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی سیرتِ مطہرہ کے بہت سے گوشوں کا عرفان بخشتی ہے اور دوسری طرف اس کے دل میں اپنے آقا و مولا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی سیرتِ مقدسہ کو مزید پہنائیوں میں اُتر کر جاننے، سمجھنے اور اپنانے کا ذوق وشوق اُبھارتی ہے۔ یوں مجھے کہنے دیجیے کہ نعت ایک وسیلہ اور مقدمہ ہے مطالعۂ سیرت کا۔

جو شخص نعتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے جڑ جاتا ہے وہ اگر جمالیاتی احساس کی ندرتوں سے محروم نہ ہو، تو کبھی سیرتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے مطالعہ سے محروم نہیں رہ سکتا۔ نعت کا ذوق اگر سچ مچ انسان کے دل میں جاگ اُٹھے، تو وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی سیرتِ پاک کو پڑھے، سمجھے اور اپنائے بغیر نہیں رہ سکتا۔ نعت میں اِک تپش ہے اور یہ تپش مطالعۂ سیرت ہی سے Channelize ہوتی ہے۔ نعت سے آدمی کے سینے میں اِک تڑپ اُمنڈتی ہے اور اس تڑپ کو کہیں تسکین نہیں ملتی سوائے مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی سیرت کے۔ نعت ایک ولولہ جگا دیتی ہے آدمی کے تن من میں، اور یہ ولولہ اسے ہر آن سیرتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی رعنائیوں سے جوڑے رکھتا ہے۔

پس قارئین! اگر آپ نعت کہتے، نعت پڑھتے یا نعت سنتے ہیں تو اپنے وجود کی اندرونی دنیا میں اچھی طرح جھانک کر فیصلہ کیجیے کہ آیا آپ کا ذوقِ نعت سچا ہے یا دھوکہ۔ کہیں آپ محض ایک پیشہ ور نعت گو، نعت خواں یا نعت کی محفل سجانے والے تو نہیں۔ کیا آپ کا اہتمامِ نعت سچ مچ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ذاتِ گرامی سے آپ کا رشتہ جوڑ رہا ہے یا نہیں۔ کیا آپ حقیقتاً معاشرے میں ذوقِ نعت پروان چڑھاتے ہیں یا محض تشہیر ذات کی مہم چلا رہے ہیں۔ یاد رکھیے! اگر نعت فی الواقع آپ کا تعلق سیرتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے جوڑتی ہے اور یہ تعلق دائمی پختگی لیے ہوئے ہے تب تو آپ سچ مچ نعتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا اہتمام کر رہے ہیں ورنہ اندیشہ ہے کہیں خدا کے ہاں نعت کی توہین کے مرتکب نہ گردانے جائیں۔

مطالعۂ سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم انسان کے تمام تر جمالیاتی رویوں اور احساسات کو حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ پر مرتکز کر دیتا ہے۔ یوں انسان کی ساری توجہ دھیان اور شعور پہ ہر آن سیرتِ طیبہ کے جلوے چھائے رہتے ہیں۔ اس کے وجود کی داخلی پہنائیوں میں ایک برتر پاکیزہ ماحول، ایک ماورائی فضا اور ایک البیلی مہک پھوٹ پڑتی ہے۔ یہ ماحول، یہ فضا، یہ مہک رحمتوں کا نکھار اُنڈیل دیتی ہے زندگی میں۔ سارے تن من میں بس ایک ہی موسم کھل اُٹھتا ہے۔ ''نشاطِ روح کا موسم۔''

یہ نشاطِ روح عبارت ہے ایک عزم، ایک اُمنگ، ایک جوش اور ولولہ سے۔ یہ عزم و اُمنگ اور جوش و ولولہ انسان کے لیے حسنِ عمل کی ساری راہیں کھول دیتا ہے۔ بیزاری، کاہلی اور مایوسی کے سارے سانچے ٹوٹ جاتے ہیں۔ رکاوٹیں اور مشکلات خود بخود چھٹنے لگتی ہیں۔ یوں لگتا ہے اِک انجانی قوت ہمارا ہاتھ تھامے پاکیزگی کی راہوں پر آگے بڑھتے چلی جا رہی ہے۔ اِک نئے جہانِ تقدس کے دریچے ہمارے لیے کھل جاتے ہیں۔ ہم خود کو ایک عالمِ نو میں سانس لیتا ہوا محسوس کرتے ہیں۔ یہ عالمِ نو ہے ''مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے وجودِ اقدس کی برکتوں کا ماحول'' یہ جہانِ تقدس انھی کی خوشبو سے مہک رہا ہے۔ یہ ماورائی فضا اسوۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی چاندنی سے دمک رہی ہے۔ جو شخص مطالعۂ سیرت میں لگا رہے وہ دھیرے دھیرے بلندیوں کا زینہ طے کرتا چلا جاتا ہے۔ اور بالآخر روشنی کے سب اُفق اس کی زندگی میں دمکنے لگتے ہیں۔ □□

فریدالدین عطار

حضرت امام جعفر صادق

حالات، افکار، تعلیمات

آپ کا اسم گرامی جعفر صادق اور کنیت ابومحمد ہے۔آپ کے مناقب و کرامات کے متعلق جو کچھ بھی تحریر کیا جائے بہت کم ہے کیونکہ آپ اُمت محمدی کے لیے نہ صرف بادشاہ اور حجتِ نبوی کے لیے روشن دلیل ہیں بلکہ صدق و تحقیق پر عمل پیرا، اولیائے کرام کے باغ کا ثمر، آلِ علی، سردارِ انبیا کے جگر گوشہ اور صحیح معنوں میں وارث نبی بھی ہیں اور آپ کی عظمت وشان کے اعتبار سے ان خطابات کو کسی طرح بھی غیر موزوں نہیں کہا جاسکتا۔

آپ کا درجہ صحابۂ کرام کے بعد ہی آتا ہے لیکن اہلِ بیت میں شمولیت کی وجہ سے نہ صرف بابِ طریقت ہی میں آپ سے ارشادات منقول ہیں بلکہ بہت سی روایتیں بھی مروی ہیں۔اور انھیں کثیر ارشادات میں سے بعض چیزیں بطور سعادت ہم یہاں بیان کررہے ہیں اور جو لوگ آپ کے مسلک پر عمل پیرا ہیں وہ گویا بارہ امام کے مسلک پر گامزن ہیں کیونکہ آپ کا مسلک بارہ امام کے مسلک کا قائم مقام ہے اور اگر صرف تنہا آپ ہی کے حالات ومناقب بیان کردیئے جائیں تو وہ بارہ اماموں کے مناقب کا ذکر تصور کیا جائے گا۔آپ نہ صرف مجموعۂ کمالات وپیشوائے مشائخ ہیں بلکہ اربابِ ذوق اور عشاق وزہّاد کے مقتدا بھی ہیں نیز آپ نے اپنی بہت سی تصانیف میں رموز خداوندی کو بڑے اچھے پیرائے میں واضح فرمایا ہے اور حضرت امام باقر کے بھی کثیر مناقب روایت کیے ہیں۔

غلط فہمی کا ازالہ: مصنف فرماتے ہیں کہ مجھے ان کم فہم لوگوں پر حیرت ہوتی ہے جن کا عقیدہ یہ ہے کہ اہلِ سنت نعوذ باللہ اہلِ بیت سے معاندت رکھتے ہیں۔جبکہ صحیح معنوں میں اہلِ سنت ہی کا اہلِ بیت سے محبت رکھنے والوں میں شمار ہوتا ہے اس لیے کہ ان کے عقائد میں یہ شے داخل ہے کہ رسول خدا پر ایمان لانے کے بعد ان کی اولاد سے محبت کرنا لازمی ہے۔

امام شافعی پر رافضیت کا الزام: کس قدر تاسف آمیز بات ہے کہ اہلِ بیت ہی کی محبت کی وجہ سے حضرت امام شافعی کو رافضی کا خطاب دے کر قید و بند کی صعوبتوں میں ڈال دیا گیا، جس کے متعلق امام صاحب خود اپنے ہی ایک شعر میں اشارہ فرماتے ہیں کہ: اگر اہلِ بیت سے مودّت کا نام رفض ہے تو پھر پورے عالم کو میرے رافضی ہونے پر گواہ رہنا چاہیے۔اور اگر بالفرض اہلِ بیت اور صحابۂ کرام سے محبت کرنا ارکان ایمان میں داخل نہ بھی ہو تب بھی ان سے محبت کرنے اور ان کے حالات سے باخبر رہنے میں کیا حرج واقع ہوتا ہے۔اسی لیے ہر اہلِ ایمان کے لیے ضروری ہے کہ جس طرح حضور اکرم کے مراتب سے آگاہی حاصل کرتا ہے اسی طرح خلفائے راشدین و دیگر صحابۂ کرام اور اہلِ بیت کے مراتب کو بھی حسبِ مراتب افضل تصور کرے۔

سنّی کی تعریف: صحیح معنوں میں اسی کو سنّی کہا جاسکتا ہے جو حضور اکرم سے رشتہ رکھنے والوں میں سے کسی کی فضیلت کا بھی منکر نہ ہو۔ایک روایت ہے کہ کسی نے حضرت امام ابوحنیفہ سے دریافت کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کے متعلقین میں سب سے زیادہ افضل کون ہے؟ فرمایا کہ بوڑھوں میں حضرت صدیق اکبر وحضرت عمر اور جوانوں میں حضرت عثمان و علی اور عورتوں میں حضرت عائشہ صدیقہ اور لڑکیوں میں حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔

عظمتِ اولیا کا اظہار: خلیفہ منصور نے ایک شب اپنے وزیر کو حکم دیا کہ جعفر صادق کو میرے روبرو پیش کرو، تاکہ میں ان کو قتل کردوں۔وزیر نے عرض کیا کہ دنیا کو خیرباد کہہ کر جو شخص عزلت نشین ہوگیا ہو اس کو قتل کرنا قرین مصلحت نہیں۔لیکن خلیفہ نے غضبناک ہوکر کہا کہ میرے حکم کی تعمیل تم پر ضروری ہے۔چنانچہ مجبوراً جب وزیر جعفر صادق کو لینے چلا گیا تو منصور نے غلاموں کو ہدایت کردی کہ جس وقت میں اپنے سر سے تاج اُتاروں تو تم فی الفور صادق کو قتل کردینا۔لیکن جب وزیر کے ہمراہ آپ تشریف لائے تو آپ کے عظمت وجلال نے خلیفہ کو اس درجہ متاثر کیا کہ وہ اضطراری طور پر آپ کے استقبال کے لیے کھڑا ہوگیا اور پھر آپ نے فرمایا کہ میری سب سے اہم حاجت وضرورت یہ ہے کہ آئندہ پھر کبھی مجھے دربار میں طلب نہ کیا جائے تاکہ میری عبادت وریاضت میں خلل واقع نہ ہو۔چنانچہ منصور نے وعدہ کرکے عزت واحترام کے ساتھ آپ کو رخصت کیا لیکن آپ کے دبدبے کا اس پر ایسا اثر ہوا کہ لرزہ براندام ہوکر مکمل تین روز بے ہوش رہا۔بعض روایات میں ہے کہ تین نمازوں کے قضا ہونے کی حد تک غشی طاری رہی۔بہرحال خلیفہ کی یہ حالت دیکھ کر وزیر وغلام حیرت زدہ رہ گئے اور جب خلیفہ سے اس کا حال دریافت کیا تو اس نے بتایا کہ جس وقت جعفر

صادق میرے پاس تشریف لائے تو ان کے ساتھ ایک اتنا بڑا اژدھا تھا جو اپنے جبڑوں کے درمیان پورے چبوترے کو گھیرے میں لے سکتا تھا۔ اور وہ اپنی زبان میں مجھ سے کہہ رہا تھا کہ اگر تو نے ذرا سی بھی گستاخی کی تو تجھ کو چبوترے سمیت نگل جاؤں گا۔ چنانچہ ان کی دہشت مجھ پر طاری ہوگئی اور میں نے آپ سے معافی طلب کرلی۔

نجات عمل پر موقوف ھے نسب پر نھیں: ایک مرتبہ حضرت داؤد طائی نے حاضر خدمت ہوکر جعفر صادق سے عرض کیا کہ آپ چونکہ اہلِ بیت میں سے ہیں اس لیے مجھ کو کوئی نصیحت فرمائیں۔ لیکن آپ خاموش رہے اور جب دوبارہ داؤد طائی نے کہا کہ اہل بیت ہونے کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو جو فضیلت بخشی ہے اس لحاظ سے نصیحت کرنا آپ پر بمنزلہ فرض کے لیے ہے۔ یہ سن کر آپ نے فرمایا کہ مجھے تو یہی خوف لگا ہوا ہے کہ روزِ محشر کہیں میرے جداعلیٰ ہاتھ پکڑ کر یہ سوال نہ کر بیٹھیں کہ تو نے خود میری اتباع کیوں نہیں کی؟ اس لیے کہ نجات کا تعلق نسب سے نہیں بلکہ اعمال صالحہ پر موقوف ہے۔ یہ سن کر داؤد طائی کو بہت عبرت ہوئی اور اللہ تعالیٰ سے عرض کیا کہ جب اہلِ بیت پر خوف کے غلبہ کا یہ عالم ہے تو میں کس گنتی میں آتا ہوں اور کس چیز پر فخر کرسکتا ہوں۔

نفاق سے نفرت: جب آپ تارک دنیا ہوگئے تو حضرت ابوسفیان ثوری نے حاضرِ خدمت ہوکر فرمایا مخلوق آپ کے تارک الدنیا ہونے سے آپ کے فیوض عالیہ سے محروم ہوگئی ہے۔ آپ نے اس کے جواب میں مندرجہ ذیل دو شعر پڑھے:

ذهب الوفا ذهاب انس الذاهب
والناس بين تخائل و مآرب
يهشون بينهم المودة والوفا
وقلوبهم محشورة بعارب

کسی جانے والے انسان کی طرح وفا بھی چلی گئی، اور لوگ اپنے خیالات اور امیدوں میں غرق رہ گئے، گو بظاہر ایک دوسرے کے ساتھ اظہارِ محبت و وفا کرتے ہیں، لیکن ان کے قلوب بچھوؤں سے لبریز ہیں۔

ظاھر مخلوق کے لیے اور باطن خالق کے لیے: ایک دفعہ آپ کو بیش بہا لباس میں دیکھ کر کسی نے اعتراض کیا کہ ایسا قیمتی لباس اہلِ بیت کے لیے مناسب نہیں۔ تو آپ نے اس کا ہاتھ پکڑ کر جب اپنی آستین پر پھیرا تو اس کو آپ کا لباس ٹاٹ سے بھی زیادہ کھر درا محسوس ہوا۔ اس وقت آپ نے فرمایا ھٰذَا لِلْخَلْقِ وَ ھٰذَا لِلْحَقِّ ۔ یعنی مخلوق کی نگاہوں میں تو یہ عمدہ لباس ہے لیکن حق کے لیے یہی کھر درا ہے۔

دانش مند کون ھے؟: ایک مرتبہ آپ نے امام ابوحنیفہ سے سوال کیا کہ دانش مند کی کیا تعریف ہے؟ امام صاحب نے جواب دیا کہ جو بھلائی اور برائی میں امتیاز کرسکے۔ آپ نے کہا کہ یہ امتیاز تو جانور بھی کرلیتے ہیں کیونکہ جو ان کی خدمت کرتا ہے ان کو ایذا نہیں پہنچاتے اور جو تکلیف دیتا ہے اس کو کاٹ کھاتے ہیں۔ امام ابوحنیفہ نے پوچھا کہ پھر آپ کے نزدیک دانش مندی کی کیا علامت ہے؟ جواب دیا کہ جو دو بھلائیوں میں سے بہتر بھلائی کو اختیار کرے۔ اور دو برائیوں میں سے مصلحتاً کم برائی پر عمل کرے۔

کبریائی رب پر فخر کرنا تکبر نھیں: کسی نے آپ سے عرض کیا کہ ظاہری و باطنی فضل و کمال کے باوجود آپ میں تکبر پایا جاتا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ میں متکبر تو نہیں ہوں البتہ جب میں نے کبر کو ترک کردیا تو میرے رب کی کبریائی نے میرا احاطہ کرلیا ہے۔ اس لیے میں اپنے کبر پر نازاں نہیں ہوں بلکہ میں تو اپنے رب کی کبریائی پر فخر کرتا ہوں۔

سبق آموز واقعه: کسی شخص کی دینار کی تھیلی کھوگئی تو اس نے آپ پر الزام عائد کرتے ہوئے کہا کہ میری تھیلی تم ہی نے چرائی ہے۔ حضرت جعفر نے اس سے سوال کیا کہ اس میں کتنی رقم تھی؟ اس نے کہا دو ہزار دینار۔ چنانچہ گھر لے جاکر آپ نے اس کو دو ہزار دینار دے دیے۔ اور بعد میں جب اس کی کھوئی ہوئی تھیلی کسی دوسری جگہ سے مل گئی تو اس نے پورا واقعہ بیان کرکے معافی چاہتے ہوئے آپ سے رقم واپس لینے کی درخواست کی۔ لیکن آپ نے فرمایا کہ ہم کسی کو دے کر واپس نہیں لیتے۔ پھر جب لوگوں سے اس کو آپ کا اسم گرامی معلوم ہوا تو اس نے بے حد ندامت کا اظہار کیا۔

حق رفاقت: ایک مرتبہ آپ تنہا اللہ اللہ کا وِرد کرتے ہوئے کہیں جارہے تھے کہ راستہ میں ایک اور شخص بھی اللہ اللہ کا وِرد کرتا ہوا آپ کے ساتھ ہوگیا۔ اس وقت آپ کی زبان سے نکلا کہ اے اللہ! اس وقت میرے پاس کوئی بہتر لباس نہیں ہے۔ چنانچہ غیب سے ایک بہت قیمتی لباس نمودار ہوا اور آپ نے زیب تن کرلیا۔ لیکن اس شخص نے جو آپ کے ساتھ لگا ہوا تھا عرض کیا کہ میں بھی تو اللہ اللہ کا وِرد کرنے میں آپ کا شریک تھا لہٰذا آپ اپنا پرانا لباس مجھے عنایت فرمادیں۔ آپ نے اپنا لباس اُتار کر اس کے حوالے کردیا۔

طریقۂ ھدایت: کسی نے آپ سے عرض کیا کہ مجھ کو اللہ تعالیٰ کا دیدار کروا دیجیے۔ آپ نے فرمایا کہ کیا تجھ کو معلوم نہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا گیا تھا کہ لَنْ تَرَانِیْ تو مجھے ہرگز نہیں دیکھ سکتا۔ اس نے

عرض کیا کہ یہ تو مجھے بھی علم ہے، لیکن یہ تو امت محمدی ہے جس میں ایک تو یہ کہتا ہے کہ رَاٰنِیْ قَلْبِیْ رَبِیّ یعنی میرے قلب نے اپنے پروردگار کو دیکھا اور دوسرا یہ کہتا ہے کہ لَمْ اَعْبُدْ رَبّاً لَمْ اَرَاہُ یعنی میں ایسے ربّ کی عبادت نہیں کرتا جو مجھ کو نظر نہیں آتا۔ یہ سن کر آپ نے حکم دیا کہ اس شخص کے ہاتھ پاؤں باندھ کر دریائے دجلہ میں ڈال دو۔ چنانچہ جب اس کو پانی میں ڈال دیا گیا اور پانی نے اس کو اوپر پھینکا تو اس نے حضرت سے بہت فریاد کی۔ لیکن آپ نے پانی کو حکم دیا کہ اس کو خوب اچھی طرح اوپر نیچے غوطے دے اور جب کئی مرتبہ پانی نے غوطے دیے اور وہ لب مرگ ہو گیا تو اللہ تعالیٰ سے اعانت کا طالب ہوا۔ اس وقت حضرت نے اس کو پانی سے باہر نکلوایا اور حواس درست ہونے کے بعد دریافت فرمایا کہ اب تو اللہ تعالیٰ کو دیکھ لیا؟ اس نے عرض کیا کہ جب تک میں دوسروں سے اعانت کا طلب گار رہا اس وقت تک تو میرے سامنے ایک حجاب سا تھا۔ لیکن جب اللہ تعالیٰ سے اعانت کا طالب ہوا تو میرے قلب میں ایک سوراخ نمودار ہوا اور پہلا سا اضطرار ختم ہو گیا۔ جیسا کہ باری تعالیٰ کا قول ہے کہ ''کون ہے جو حاجت مند کے پکارنے پر اس کا جواب دے'' آپ نے فرمایا کہ جب تک تو نے صادق کو آواز دی اس وقت تک تو جھوٹا تھا اور اب قلبی سوراخ کی حفاظت کرنا۔

ارشادات : فرمایا جو شخص یہ کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی خاص شئے پر موجود ہے یا کسی شئے سے قائم ہے وہ کافر ہے۔

فرمایا کہ جس معصیت سے قبل انسان میں خوف پیدا ہو وہ اگر توبہ کر لے تو اس کو اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہوتا ہے۔ جس عبادت کی ابتدا مامون رہنا اور آخر میں خود بینی پیدا ہونا شروع ہو تو اس کا نتیجہ بعد الٰہی کی شکل میں نمودار ہوتا ہے۔ جو شخص عبادت پر فخر کرے وہ گنہگار ہے اور جو معصیت پر اظہارِ ندامت کرے وہ فرماں بردار ہے۔

کسی نے آپ سے سوال کیا کہ صبر کرنے والے درویش اور شکر کرنے والے مالدار میں آپ کے نزدیک کون افضل ہے؟ آپ نے فرمایا کہ صبر کرنے والے درویش کو اس لیے فضیلت حاصل ہے کہ مالدار کو ہمہ اوقات اپنے مال کا تصور رہتا ہے اور درویش کو صرف اللہ تعالیٰ کا خیال۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے کہ توبہ کرنے والے ہی عبادت گزار ہیں۔

آپ فرماتے ہیں کہ ذکر الٰہی کی تعریف یہ ہے کہ جس میں مشغولیت کے بعد دنیا کی ہر شئے کو بھول جائے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہر شئے کا نعم البدل ہے۔

یَخْتَصُّ بِرَحْمَتِہٖ مَنْ یَّشَآءُ کی تفسیر کے سلسلہ میں آپ کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے اپنی رحمت سے خاص کر لیتا ہے۔ یعنی تمام اسباب و وسائل ختم کر دیئے جاتے ہیں تاکہ یہ بات واضح ہو جائے کہ عطائے الٰہی بلا واسطہ ہے نہ کہ بالواسطہ۔

فرمایا کہ مومن کی تعریف یہ ہے کہ نفس کی سرکشی کا مقابلہ کرتا رہے اور عارف کی تعریف یہ ہے کہ جو اپنے مولیٰ کی اطاعت میں ہمہ تن مشغول رہے۔

فرمایا کہ صاحب کرامت وہ ہے جو اپنی ذات کے لیے نفس کی سرکشی سے آمادہ بہ جنگ رہے کیونکہ نفس سے جنگ کرنا اللہ تعالیٰ تک رسائی کا موجب ہوتا ہے۔

فرمایا کہ اوصاف مقبولیت میں سے ایک وصف الہام بھی ہے۔ جو لوگ دلائل سے الہام کو بے بنیاد قرار دیتے ہیں وہ بد دین ہیں۔

فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندے میں اس سے بھی زیادہ پوشیدہ ہے جتنا کہ رات کی تاریکی میں سیاہ پتھر پر چیونٹی رینگتی ہے۔ فرمایا کہ عشقِ الٰہی نہ تو اچھا ہے اور نہ بُرا۔ فرمایا کہ مجھ پر رموز حقیقت اس وقت وا ہوئے جب میں خود دیوانہ ہو گیا۔ فرمایا نیک بختی کی علامت یہ بھی ہے کہ عقلمند دشمن سے واسطہ پڑ جائے۔

فرمایا کہ پانچ لوگوں کی صحبت سے اجتناب کرنا چاہیے۔ اوّل، جھوٹے سے کیونکہ اس کی معیت فریب میں مبتلا کر دیتی ہے۔ دوم، بیوقوف سے کیونکہ جس قدر وہ تمھاری منفعت چاہے گا اسی قدر نقصان پہنچے گا۔ سوم، کنجوس سے کیونکہ اس کی صحبت سے بہترین وقت رائے گا ہو جاتا ہے۔ چہارم، بزدل سے کیونکہ یہ وقت پڑنے پر ساتھ چھوڑ دیتا ہے۔ پنجم، فاسق سے کیونکہ ایک نوالے کی طمع میں کنارہ کش ہو کر مصیبت میں مبتلا کر دیتا ہے۔

فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا ہی میں فردوس و جہنم کا نمونہ پیش کر دیا ہے کیونکہ آسائش جنت ہے اور تکلیف جہنم اور جنت کا صرف وہی حقدار ہے جو اپنے تمام امور اللہ تعالیٰ کو سونپ دے۔ اور دوزخ اس کا مقدر ہے جو اپنے امور سرکش نفس کے حوالے کر دے۔

فرمایا کہ اگر معاندین کی صحبت سے اولیائے کرام کو ضرر پہنچ سکتا تو فرعون سے آسیہ کو پہنچتا۔ اور اگر اولیائے کی صحبت دشمن کو نافع ہوتی تو سب سے پہلے حضرت نوح اور حضرت نوح کی ازدواج کو فائدہ پہنچتا۔ لیکن قبض اور بسط کے سوا اور کچھ بھی نہیں ہے۔

گو آپ کے فضائل و ارشادات بہت زیادہ ہیں لیکن طوالت کے خوف سے حصول سعادت کے پیشِ نظر اختصار کے ساتھ بیان کر دیئے گئے۔ ☐☐ (ماخوذ از: تذکرۃ الاولیاء، رضوی کتاب گھر، دہلی)

عربی تحریر: ڈاکٹر عبد الرحمن رافت پاشا
اردو ترجمہ: مولانا محمد عبد الحکیم شرف قادری نقشبندی☆

حضرت عمیر بن سعد رضی اللہ عنہ

عُمیر بن سعد اپنے انداز کا یکتائے زمانہ شخص ہے۔

عُمیر بن سعد انصاری نے بچپن کی ابتدا ہی یتیمی اور فقر و فاقے کے تند و تلخ گھونٹ پینے سے کی۔

اُن کا باپ اُن کے لئے کوئی سرپرست یا سرمایہ چھوڑے بغیر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہو گیا، لیکن اُن کی والدہ نے جلد ہی قبیلۂ اوس کے ایک سرمایہ دار جلاس بن سوید سے نکاح کر لیا، اس نے عُمیر کو اپنی کفالت میں لے کر شفقتِ پدری فراہم کر دی۔

اس نے عُمیر کو اِس قدر حسنِ اخلاق، محبت و شفقت اور اپنائیت سے نوازا کہ وہ اپنی یتیمی کو ہی بھول گئے۔ عُمیر نے بھی جلاس سے اِس طرح محبت کی جیسے بیٹا اپنے باپ سے محبت کرتا ہے اور جلاس نے بھی عمیر سے اس طرح ٹوٹ کر پیار کیا جیسے ایک باپ اپنے بیٹے سے کرتا ہے۔

جوں جوں عُمیر جوان ہوتا گیا اُس سے جلاس کی محبت میں بھی اضافہ ہوتا گیا، کیونکہ اُس کے ہر عمل میں اُس کی ذکاوت و فطانت اور نجابت کی علامات دکھائی دیتی تھیں، اور اُس کے ہر کام میں امانت و دیانت اور سچائی کی صفات جھلکتی تھیں۔

نوجوان عُمیر بن سعد نے ابھی اپنی عمر کی گیارہ منزلیں بھی طے نہیں کی تھیں کہ مشرف باسلام ہو گئے، ایمان کو اُن کا تر و تازہ دل کفر و شرک وغیرہ سے خالی ملا تو وہ اس پاکیزہ دل میں راسخ ہو گیا، اسلام نے اُن کے صاف اور شفاف دل میں زرخیز مٹی پائی تو وہ خوب پھلا اور پھولا، وہ نوعمری کے باوجود باقاعدگی کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز باجماعت ادا کرتے، اُن کی والدہ اُنہیں کبھی تنہا اور کبھی اپنے شوہر کے ساتھ مسجدِ نبوی میں آتا جاتا ہوا دیکھتیں تو خوشی سے پھولی نہ سماتیں۔

نوجوان عُمیر بن سعد کی زندگی اِسی ڈگر پر سکون و اطمینان کے ساتھ چلتی رہی، کسی واقعے یا کسی حادثے نے اُن کی زندگی کی پرسکون سطح پر ہلچل نہ مچائی، پھر اللہ تعالیٰ نے (حکمت کے تحت) چاہا کہ سنِ بلوغ کے قریب اِس نوخیز لڑکے کو انتہائی سنگین اور انتہائی پریشان کن تجربے سے دوچار کر دے اور ایسے ایسے امتحان میں مبتلا کر دے جس میں شاید ہی اُن کا کوئی ہم عمر مبتلا ہوا ہو۔

9 ہجری میں رسول اللہ ﷺ نے تبوک کے میدان میں رومیوں کے ساتھ جہاد کا اعلان فرمایا اور مسلمانوں کو اس جہاد کے لئے تیار ہونے اور ساز و سامان فراہم کرنے کا حکم دیا۔

نبی اکرم ﷺ کا معمول یہ تھا کہ جب کسی جہاد کا فیصلہ فرماتے تو اس کی تصریح نہیں کرتے تھے، اور جنگی حکمتِ عملی کے تحت جس جانب جانے کا ارادہ ہوتا اُس کے برعکس جانب کا تاثر دیتے، تا کہ دشمن کے جاسوسوں کو خبر نہ ہو سکے، لیکن غزوۂ تبوک میں آپ نے صاف صاف پروگرام کا اعلان کر دیا، کیونکہ سفر بہت لمبا تھا، دشمن بہت طاقتور تھا اور مشقت زیادہ تھی، اِس لئے آپ نے صاف صاف بتا دیا تا کہ صحابۂ کرام پر پروگرام پوری طرح واضح ہو جائے اور وہ اِس کے لئے پوری طرح تیاری کر لیں، نیز جو ساز و سامان ساتھ لینا ہے لے لیں۔

ایک وجہ یہ بھی تھی کہ گرمی کا موسم شروع ہو چکا تھا، گرمی پوری شدت اختیار کر چکی تھی، پھل پک چکے تھے، سائے بھلے معلوم ہوتے تھے اور بعض لوگوں کے دل سستی مائل ہو رہے تھے اور پروگرام کو مؤخر کرنے کے حق میں تھے ان سب باتوں کے باوجود صحابۂ کرام نے اپنے نبی اکرم ﷺ کی دعوت پر دل و جان سے لبیک کہی اور جہاد کی تیاریوں میں مصروف ہو گئے۔

تاہم منافقین کا ایک گروہ مسلمانوں کے عزائم کو کمزور کرنے، حوصلوں کو پست کرنے اور شکوک و شبہات کے پھیلانے میں مصروف ہو گیا، وہ لوگ رسول اللہ ﷺ پر نکتہ چینی کرتے تھے اور اپنی خصوصی مجلسوں میں ایسے الفاظ کہتے تھے جو ان کے کفر پر مُہر کی حیثیت رکھتے تھے۔

لشکر کے روانہ ہونے سے پہلے ایک دن نوجوان عُمیر بن سعد مسجد میں نماز ادا کر کے واپس اپنے گھر آئے، اُنہوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ مسلمانوں نے مال و دولت کس جوش کے ساتھ جہاد فنڈ میں جمع کرایا ہے اور کس طرح وہ جان و مال کی قربانی دینے کے لئے آمادہ ہیں اُنہوں نے اپنے کانوں سے مسلمانوں کی ولولہ انگیز باتیں سنیں، اس کا نتیجہ یہ تھا کہ اس نوجوان کا سینہ فرطِ جذبات کی آماجگاہ بن گیا۔

مہاجرین اور انصار کی عورتیں رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں حاضر

☆ پاکستان

ہوتیں اور اپنے زیورات اتار کر اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنے والے لشکر کی تیاری کے لئے پیش کر دیتیں۔

عُمیر نے اپنے سر کی آنکھوں سے دیکھا کہ حضرت عثمانِ غنی سونے کے ایک ہزار دینار کی تھیلی لائے اور بارگاہِ رسالت میں پیش کر دی۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف دوسو ''اُوقیہ'' سونا اپنے کندھے پر اٹھا کر لائے اور بارگاہِ اقدس میں پیش کر دیا۔

عُمیر ایک طرف تو ان بے مثال صورتوں کا تصور کرتے، دوسری طرف اُنہیں یہ دیکھ کر تعجب ہوتا کہ جلاس صاحبِ دولت وثروت ہونے کے باوجود نہ تو رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ سفر پر جانے کے لئے تیاری کرتے ہوئے نظر آتے ہیں اور نہ ہی جہاد فنڈ میں چندہ دینے میں کچھ دلچسپی لے رہے ہیں۔

عُمیر نے سوچا کہ جلاس کے ذوق وشوق کو ابھارا جائے اور اُن کی غیرت کو مہمیز لگائی جائے، اِس ارادے سے اُنھوں نے جو باتیں دیکھی اور سنی تھیں وہ جلاس سے بیان کرنا شروع کر دی، خاص طور پر اُن صحابہ کرام کا تذکرہ کیا جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کی بارہ گاہ میں حاضر ہو کر اپنی پُر شوق درخواست پیش کی تھی کہ ہمیں بھی اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنے والے لشکر میں شمولیت کی اجازت دی جائے، لیکن سواریوں کا انتظام نہ ہونے کی وجہ سے نبی اکرم ﷺ نے اُنہیں واپس کر دیا تھا، چنانچہ وہ اشکبار آنکھوں کے ساتھ واپس ہوئے اور اُنہیں اِس بات کا صدمہ تھا کہ وہ آرزوئے جہاد کے پورا کرنے سے قاصر تھے۔ اور شوقِ شہادت کے پورا کرنے کی کوئی صورت دکھائی نہیں دیتی تھی۔ لیکن جلاس نے سُنی اَن سُنی کر دی اور اُس کی زبان سے ایک ایسا جملہ نکل گیا جسے سُن کر ایمان کے پیکر نوجوان کا دل دہل گیا۔

جلاس نے کہا: ''اگر محمد اپنے دعوائے نبوت میں سچے ہیں تو ہم گدھوں سے بھی بدتر ہیں۔'' (العیاذ باللہ)

یہ جملہ سُن کر عُمیر سناٹے میں آ گئے، اُن کے وہم وگمان میں بھی یہ بات نہیں تھی کہ جلاس جیسا عقل منداور عمر رسیدہ شخص ایسی بات کہے گا جو اُسے فوراً ایمان سے خارج کر دے گی اور کفر کے دروازے میں داخل کر دے گی۔

نوجوان عُمیر بن سعد نے سوچا کہ اگر میں جلاس کے بارے میں خاموشی اختیار کرتا ہوں اور اُس کی پردہ داری کرتا ہوں تو اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول اللہ ﷺ سے بے وفائی ہوگی اور یہ اسلام کا ناقابل تلافی نقصان ہوگا، منافقین تو اسلام کو نقصان پہنچانے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے ہیں۔

دوسری طرف جو کچھ اُنہوں نے سنا ہے اُس کے مشہور کرنے میں اُس شخص کے حقوق پامال ہوتے ہیں جو میرے باپ کے قائم مقام ہے، اُس کے احسان کا بدلہ برائی کے ساتھ دینا لازم آئے گا، اُسی نے تو مجھے یتیمی کی بے کسی سے نکالا ہے، اُسی نے میرے فقر وفاقہ کا مداوا کیا ہے، وہی تو میرے باپ کا بدل بنا ہے۔

نوجوان جو بھی فیصلہ کرتا بہرصورت اسے کڑوا گھونٹ پینا پڑتا، اُس کی عقل نے انتہائی تیز رفتاری سے دونوں پہلوؤں کا جائزہ لیا۔ اُس کے رگ و پے میں سرایت کرنے والے ایمان نے اُسے متنبہ کیا کہ عُمیر! یہ قیامت کا لمحہ ہے، تو پوری وارفتگی کے ساتھ دامنِ مصطفیٰ (ﷺ) سے لپٹ جا اور جو بھی تیرے راستے کی آڑ بنتا ہے اسے جوتے کی نوک پر رکھ کر اڑا دے چنانچہ وہ فیصلہ کن نتیجے پر پہنچ گیا۔

اس نے جلاس کی طرف متوجہ ہو کر کہا: جلاس! اللہ کی قسم! روئے زمین پر حضرت محمد ﷺ کے بعد میرے نزدیک تجھ سے زیادہ کوئی محبوب نہیں تھا۔ تو مجھے سب سے زیادہ محبوب تھا اور مجھ پر تیرا سب سے زیادہ احسان ہے، لیکن اِس وقت تو نے ایسی بات کہہ دی ہے کہ اگر میں اُس کا تذکرہ کسی سے کر دوں تو تجھے رسوا کر دوں گا اور اگر اُسے چھپا لیتا ہوں تو میں امانت میں خیانت کا مرتکب ہوں گا اور اپنی جان اور اپنے ایمان کی بربادی کا باعث بنوں گا، کان کھول کر سن لے کہ میں نے قطعی فیصلہ کر لیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر تمہاری پوری بات کسی کمی بیشی کے بغیر عرض کر دوں۔

نوجوان عُمیر بن سعد مسجد نبوی میں حاضر ہوئے اور جو کچھ جلاس بن سوید سے سنا تھا نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں عرض کر دیا۔

رسول اللہ ﷺ نے اُنہیں تو اپنے پاس بٹھا لیا جبکہ ایک صحابی کو جلاس کے بلانے کے لئے بھیج دیا۔

تھوڑی دیر بعد ہی جلاس آ گیا، اُس نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں سلام عرض کیا اور آپ کے سامنے بیٹھ گیا، نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: عُمیر بن سعد نے تم سے کیا گفتگو سنی ہے؟ اور پھر فرمایا یہ عُمیر کا بیان ہے۔

جلاس نے بغیر کسی تردد کے کہا: ''یارسول اللہ! اِس نے میرے بارے میں جھوٹ بولا ہے اور بہتان تراشا ہے، میں نے ہرگز ایسی کوئی بات اپنے منہ سے نہیں نکالی۔''

صحابہ کرام کبھی جلاس کی طرف اور کبھی نوخیز جوان عُمیر بن سعد کی طرف دیکھتے، جیسے وہ اِن دونوں کے دلوں کی کیفیات کی تحریر اِن کے چہروں کے صفحات پر پڑھنے کی کوشش کر رہے ہوں۔

حاضرین چپکے چپکے اپنی آراء کا اظہار بھی کر رہے تھے، ایک شخص جس کے دل میں منافقت کا روگ تھا کہہ رہا تھا: ''اور یہ احسان فراموش جوان صرف یہ چاہتا ہے کہ اپنے محسن کو اپنے ظلم وستم کا نشانہ بنائے۔''

ایمان کی لذت وحلاوت سے آشنا صحابہ کہہ رہے تھے: ''اِس نوجوان نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں پرورش پائی ہے، اِس کے چہرے کی ایک ایک ادا اِس کی سچائی کی گواہی دے رہی ہے۔''

رسول اللہ ﷺ نے عُمیر کی طرف دیکھا تو آپ کو یوں محسوس ہوا جیسے اُس کا تمام خون اُس کے چہرے میں جمع ہو چکا ہے اور اُس کی آنکھوں سے آنسو موسلا دھار بہہ کر اُس کے رخساروں اور سینے پر گر رہے ہیں اور وہ دعا کر رہا ہے۔

اے اللہ! جو کچھ میں نے بیان کیا ہے اُس کی وضاحت اپنے نبی ﷺ پر نازل فرما دے۔

اے اللہ! جو کچھ میں نے بیان دیا ہے اُس کی تائید اپنے نبی ﷺ پر نازل فرمادے۔

جلاس مزید آگے ہو کر بیٹھ گیا اور کہنے لگا: ''یا رسول اللہ! جو کچھ میں نے آپ کے سامنے بیان کیا ہے وہ سچ ہے اور اگر آپ چاہیں تو ہم دونوں اپنی اپنی قسمیں کھا سکتے ہیں۔ میں اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ عُمیر نے جو کچھ آپ کے سامنے بیان کیا ہے، میں نے اُس میں سے کوئی بھی بات نہیں کی۔''

وہ ابھی اپنی قسم سے فارغ نہیں ہوا تھا کہ حاضرین کی نگاہیں عُمیر بن سعد کی طرف اٹھ گئیں اور اِس سے پہلے کہ وہ قسم اٹھانے کے لئے آگے بڑھتے، اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب اکرم ﷺ کے محبِّ صادق کی لاج رکھ لی، رسول اللہ ﷺ پر کیفیتِ 'سکینہ' طاری ہوگئی، صحابہ کرام نے محسوس کر لیا کہ آپ پر وحی نازل ہو رہی ہے، وہ اپنی اپنی جگہ پر خاموش اور پرسکون ہو کر بیٹھ گئے اور اُن کی نگاہیں سرورِ عالم ﷺ کے چہرۂ انور پر مرکوز ہو کر رہ گئیں۔

یہ صورتِ حال محسوس کر کے جلاس پر خوف وہراس طاری ہو گیا، اُسے یقین ہو گیا کہ اب میرا پردۂ منافقت چاک ہونے ہی والا ہے، عُمیر اور دوسرے صحابہ سراپا اشتیاق بن کر انتظار کے لمحات گن گن کر گذار رہے تھے، یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ سے وحی کے نازل ہونے والی وہ کیفیت جاتی رہی۔ رسول اللہ ﷺ نے اِس آیتِ کریمہ کی تلاوت فرمائی:

یحلفون باللّٰہ ماقالوا ولقد قالوا کلمة الکفر بعد اسلامھم.

منافق اللہ کی قسم کھا کر کہتے ہیں کہ انہوں نے نہیں کہا، بخدا اُنہوں نے کلمۂ کفر کہا ہے اور وہ اسلام کا اظہار کرنے کے بعد کافر ہو گئے ہیں۔

یہاں تک کہ اللہ عزوجل نے فرمایا:

فان یتوبوا یک خیرا لھم ، وان یتوتوا یعذبھم اللّٰہ عذابا الیما. (التوبة: ۷۴)

اگر وہ توبہ کرلیں تو اُن کے لئے بہتر ہے اور اگر وہ منہ پھیر لیں تو اللہ انہیں دردناک عذاب دے گا۔

اللہ تعالیٰ کے کلام کے جلال اور ہیبت سے جلاس لرز گیا، قریب تھا کہ دہشت کی وجہ سے اُس کی زبان بند ہو جاتی۔

وہ رسول اللہ ﷺ کی طرف متوجہ ہو کر کہنے لگا: ''بلکہ یا رسول اللہ! میں توبہ کرتا ہوں...... میں سچے دل سے توبہ کرتا ہوں۔

یا رسول اللہ! عُمیر نے سچ کہا تھا، میں نے ہی جھوٹ بولا تھا۔

یا رسول اللہ! میں آپ پر فدا ہو جاؤں، میرے لئے دعا کیجیے کہ اللہ تعالیٰ میری توبہ قبول فرمائے۔''

تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نوجوان عُمیر بن سعد کی طرف متوجہ ہوئے، اُن کا چہرہ نورِ ایمان سے جگمگا رہا تھا اور اُس کے پرنور چہرے پر خوشی اور مسرت کے آنسوؤں کی بارش ہو رہی تھی۔

رسول اللہ ﷺ نے اپنا دستِ اقدس اُن کے کان کی طرف بڑھایا اور نرمی سے پکڑ کر فرمایا: ''لڑکے جو کچھ ترے کان نے سنا تو نے اُسے جوں کا توں بیان کر دیا اور تیرے رب نے تیری تصدیق فرما دی ہے۔''

جلاس اسلامی معاشرے کی طرف لوٹ آئے اور اُن کی زندگی کے بقیہ ایام کی روشنی میں اُن کا اسلام صحیح اور قابل رشک ثابت ہوا۔

صحابہ کرام کو اُن کے حلال کی درستی اِس بات سے معلوم ہوئی کہ وہ عمر بھر بدستور عُمیر کو اپنی نوازشات سے نوازتے رہے اور جب بھی عُمیر کا ذکر آتا تو کہتے تھے: ''اللہ تعالیٰ اُنہیں میری طرف سے جزائے خیر عطا فرمائے، اُنہوں نے مجھے کفر سے نکالا اور میری گردن کو آگ سے آزاد کیا۔''

یاد رہے کہ نوخیز صحابی حضرت عُمیر بن سعد کی زندگی کی یہی سے سب زیادہ روشن اور سب سے زیادہ جگمگانے والی صورت نہیں ہے۔

اُن کی زندگی کے اِس سے بھی زیادہ روشن اور خوبصورت بہت سے پہلو اور بھی ہیں۔ ◻◻

محمد صابر رضا رہبر مصباحی ☆

بنیادی حق تعلیم کا قانون اور اقلیتی ادارے

آرٹی ای کیا ہے ؟:

The Right of Children Free and Compulsary Eduction Act کوعام طور پر قانون حق تعلیم یعنی آرٹی ای (رائٹ ٹو ایجوکیشن) کہاجاتا ہے جسے ملک کی پارلیمنٹ نے اگست 2009ء کو منظور کیا اور صدرجمہوریہ ہند کے دستخط کے بعد یکم اپریل 2010ء سے اسے نافذ العمل قرار دیا گیا ہے۔ آرٹی ای کے ملک بھر میں مکمل نفاذ کے لیے تین سال کی مدت مقرر کی گئی ہے یعنی 2013ء تک اسے پوری طرح عملی جامہ پہنا دیا جائے گا۔ اس دوران مرکزی وریاستی حکومتیں مطلوبہ مقررہ ذمہ داریوں کو پورا کرلے گی اور یکم اپریل 2013ء سے اسے کلی طور پر ملک بھر میں نافذ کر دیا جائے گا۔

آرٹی ای کا مقصد:

آرٹی ای کا مقصد ملک بھر میں تعلیم کو عام کرنا ہے۔ اس کے نفاذ کے بعد ملک کے ہر بچے کو جس کی عمر 6 سال سے 14 سال کے درمیان ہے اس کے لیے اوّل تا آٹھویں جماعت تک مفت تعلیم کا اہتمام کیا جائے گا تا کہ کوئی بچہ معاشی ودیگر مجبوریوں کے سبب بنیادی تعلیم سے محروم نہ رہ سکے۔ آرٹی ای دفعہ نمبر 6 تا 10 کے مطابق ہر اس بچہ کو جس کی عمر 6 سے 14 سال کے درمیان ہے اس کے لیے سرکاری نصاب تعلیم کے مطابق پہلی سے آٹھویں جماعت تک تعلیم کا مفت انتظام کرنا متعلقہ حکومت، مقامی اداروں اور والدین یا سرپرستوں کی ذمہ داری ہے اگر وہ اس پر عمل نہیں کرتے ہیں تو وہ اپنے فرائض سے کوتاہی برتنے کے قصوروار ہیں اور سزا کے مستحق ٹھہریں گے۔ ملک کے بچوں کو بنیادی تعلیم سے آراستہ کرنے کے لیے مرکزی حکومت، ریاستی حکومتیں اور مقامی ادارے یعنی کارپوریشن، بلدیہ، ضلع پریشد، پنچایت کمیٹی کی جانب سے ہرایک کیلومیٹر پرایک اسکول قائم کیا جائے گا جس میں تعلیمی ڈھانچے کے علاوہ وسیع وعریض پلے گراؤنڈ اور موسم کے مطابق سازگار عمارت کا بھی اہتمام شامل ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ اگست 2009ء کے بعد اب تک ایک بھی نیا اسکول قائم نہیں کیا جاسکا ہے۔

آرٹی ای مکمل طور پر زمینی سطح پر نافذ ہو پائے گا یا نہیں اس بارے میں ابھی کچھ کہنا جلد بازی ہوگی تاہم اتنا تو قطعی طور پر کہا جاسکتا ہے کہ اس کا مکمل طور پر نفاذ مرکزی وریاستی حکومت کے لیے ٹیڑھی کھیر ثابت ہوگی۔

آرٹی ای کا مقصد اگرچہ ملک میں تعلیم کو عام کرنا اور مستقبل کے ہر شہری کو زیور علم سے آراستہ کرنا ہے۔ اسے تعلیمی دنیا میں ایک اہم پیش رفت بھی قرار دیا جاسکتا ہے لیکن اس عظیم مقصد کے حصول کے لیے قانون میں جس طرح کے طریقے، شرائط اور مبہم اصطلاحات کا استعمال کیا گیا ہے اس سے ہندوستان کے تعلیمی مستقبل کو زبردست خطرہ ہے۔ آج ملکی وبین الملکی سطح پر نونہالانِ وطن سائنس وتحقیق ودیگر میدانوں میں اپنی صلاحیتوں کے جھنڈے گاڑ رہے ہیں اور غیروں سے خراج تحسین وصول رہے ہیں لیکن اگر آرٹی ای ایکٹ کا نفاذ ہو جاتا ہے تو آنے والی نسلوں سے اس طرح کی توقع ایک خواب ثابت ہوگی۔ اس لیے کہ آرٹی ای کا تعلیمی انسان سرٹیفکیٹ کے اعتبار سے اگرچہ عظیم محقق وسائنسداں ہوگا مگر تعلیمی لیاقت وصلاحیت کے نام پر اس کے پاس کچھ بھی نہیں ہوگا۔ اسکول، مدارس ودیگر تعلیمی اداروں میں مقابلہ جاتی، سالانہ، ششماہی اور اہلیتی امتحانات اس لیے منعقد کیے جاتے ہیں تا کہ بچوں کی صلاحیت ابھر کر سامنے آئے۔ ایک جماعت سے دوسری جماعت میں ترقی کے لیے موجود جماعت میں مطلوبہ نمبر حاصل کرنا لازم اس لیے قرار دیا گیا ہے تا کہ بچہ کے اندر اگلی جماعت میں پڑھائے جانے والے مضامین کو سمجھنے کی صلاحیت پیدا ہو سکے اور وہ ان کتابوں کی تفہیم کے لیے ذہنی وعلمی طور پر تیار ہو سکے۔ لیکن آرٹی ای کے تعلیمی انسان کو اگلی جماعت میں ترقی کے لیے نہ تو کسی شش ماہی امتحان سے گزرنا پڑے گا اور نہ سالانہ امتحان کے لیے جی توڑ محنت کرنے کی ضرورت ہے۔ یہی نہیں کسی بھی تعلیمی ادارے میں داخلہ کے لیے بھی اسے کسی طرح کا ٹیسٹ اور اہلیتی امتحانات وفیس کے مراحل کو عبور نہیں کرنا پڑے گا بلکہ اس کی عمر کے اعتبار سے متعلقہ جماعت میں اسے داخلہ مل جائے گا یعنی اگر کوئی طالب علم جس کی عمر 14 سال ہے اگرچہ وہ ابجد سے واقف نہیں ہے مگر اسے آٹھویں جماعت میں داخلہ مل جائے گا اور اسے تعلیم یافتہ انسان کہا جائے گا۔ حالاں کہ یہ بات ثابت ہے کہ عموماً بچے امتحانات کے دنوں میں ہی دل جمعی کے ساتھ پڑھائی کرتے ہیں۔ مختلف تعلیمی اداروں میں جو سہ ماہی امتحانات کرائے جاتے ہیں اس کا مقصد یہی ہوتا ہے کہ بچوں کی تعلیمی صلاحیت خوب خوب روشن ہو سکے۔ اگر امتحانات واہلیتی ٹیسٹ کو ہی سرے سے ختم کر دیا جائے تو ذرا سوچیے بچے اپنی تعلیم پر کتنی محنت کریں گے؟ مستقبل میں جو نسل تیار ہوگی اس کی عملی لیاقت کتنی بلند یا پایہ دار ہوگی؟ جو نسل تعلیم کے نام پر فقط کاغذی سند لے کر آئے گی کیا ان سے کسی ملکی وبین الاقوامی مقابلہ جاتی دوڑ میں شامل ہونے اور ان سے کسی اہم کامیابی کی توقع کی جاسکتی ہے؟ یہاں تو معاملہ ایسا ہی نظر آرہا ہے کہ 'کوّا چلا ہنس کی چال اپنی چال ہی بھول گیا'۔ آرٹی ای کا مقصد ہندوستانیوں کو تعلیم یافتہ بنانا تھا مگر ہمارے ملک کے ماہرین تعلیم اس کے ذریعہ انھیں جاہل بنانے کی تیاری کر رہے ہیں۔

آرٹی ای اور دفعہ 25 و 26:

دستور ہند کی دفعہ 25و26 میں ملک کی اقلیتوں کو مذہب اور زبان کے اعتبار سے اپنا تعلیمی ادارہ قائم کرنے اور اسے چلانے کا مکمل اختیار دیا گیا ہے وہ

☆ ریزیڈنٹ ایڈیٹر روزنامہ سنگم پٹنہ، ای میل: sabirrahbar10@gmail.com

آر ٹی ای کے نفاذ کے بعد سلب ہو جائے گا کیوں کہ آر ٹی ای کے مطابق ہر بچہ کو سرکاری نصاب تعلیم کے مطابق پہلی سے آٹھویں جماعت تک تعلیم دینا لازمی ہے جبکہ مدارس اور دیگر مذاہب کے مذہبی اداروں میں بنیادی طور پر مذہبی کتابیں پڑھائی جاتیں ہیں۔لہٰذا وہ بچہ جس کی عمر 6 سے 14 سال کے درمیان ہے اور وہ کسی مدرسہ میں تعلیم حاصل کر رہا ہے ؛آر ٹی ای کے نزدیک اس کا کوئی اعتبار نہیں۔اس کا بنیادی حق تعلیم اسے نہیں مل رہا ہے۔اس لیے متعلقہ ادارے اور اس کے والدین اپنے فرائض کی عدم انجام دہی کے سبب سزا کے مستحق ہیں ۔لہٰذا اب وہ اقلیتی و مذہبی ادارے جہاں 6 سے 14 سال کے بچے مذہبی تعلیم حاصل کرتے ہیں کم از کم میری فہم کے مطابق یکم اپریل 2013ء کے بعد وہ جاری نہیں رہ پائیں گے۔کیوں کہ وہ آر ٹی ای کے مطابق بنیادی تعلیم دینے میں ناکام ہے۔ حالاں کہ دستور ہند کی دفعہ 25 اور 26 میں اقلیتی مذہبی ولسانی اداروں کو تحفظ حاصل ہے۔دفعہ نمبر 25 کی رو سے ہر شہری مذہبی عقیدہ اختیار کرنے ،اس پر عمل کرنے اور اس کی تبلیغ و تشہیر کرنے کے لیے آزاد ہے۔جبکہ دفعہ 26 میں ہر مذہبی طبقہ اپنے مذہب کے مطابق تعلیمی و خیراتی ادارے قائم کرنے کا مجاز ہے۔ اس میں حکومت کسی طرح کی کوئی دخل اندازی نہیں کر سکتی ۔لیکن اب وہ خصوصی اختیارات بھی یکم اپریل 2013ء کے بعد سے سلب ہو جائیں گے۔کیوں کہ آر ٹی ای اور دستور ہند کی دفعہ 25 اور 26 میں تصادم ہے اور ان دونوں میں سے کسی ایک ہی پر عمل ممکن ہے۔

محکمہ فروغ انسانی وسائل کا فریب:

آر ٹی ای کی پارلیمنٹ میں منظوری کے بعد جب اس کے مضر نکات اقلیتی طبقہ کے سامنے آئے تو لوگوں کے ہوش اڑ گئے اور پورے ملک میں کھلبلی مچ گئی۔ جس پر نقد و تبصرہ کا بازار آج بھی گرم ہے۔اقلیتی طبقہ کے رہنماؤں نے اس میں ترمیم کا مطالبہ کیا اور کر رہے ہیں لیکن افسوس ہے کہ اس سمت ہنوز کوئی مضبوط اور موثر آواز بلند نہیں کی جا سکی ہے۔جب اقلیتی طبقہ کی جانب سے خدشات کا اظہار کرتے ہوئے متعلقہ وزیر مسٹر کپل سبل سے اس میں ترمیم کا مطالبہ کیا گیا تو جولائی 2010ء میں انھوں نے یقین دلایا کہ اس میں ترمیم کر کے اقلیتی ادارے کو مستثنیٰ قرار دیا جائے گا مگر ان کا وعدہ ،وعدۂ فردا ثابت ہوگا اور اس میں کسی طرح کی کوئی ترمیم نہیں کی گئی۔ہاں نومبر 2010ء میں محکمہ فروغ انسانی وسائل کی جانب سے ایک گائیڈ لائن جاری کیے گئے ۔جس کی حیثیت بہلانے والے کھلونے سے زیادہ نہیں ہے بلکہ وہ تو اقلیتی تعلیمی ادارے خصوصاً مدارس کے خلاف کسی زبردست سازش کی چغلی کھا رہے ہیں۔

محکمہ فروغ انسانی وسائل کی جانب سے شائع کردہ گائیڈ لائن نمبر 3 میں یہ کہا گیا ہے کہ بشمول مدارس ویدک پاٹھ شالہ خصوصاً مذہبی اور لسانی اقلیتوں کے لیے قائم اداروں کو دستور کے دفعہ نمبر 29 اور 30 کا تحفظ حاصل ہے ۔ایسے اداروں کی برقراری اور حقوق اطفال کے معاملے میں آر ای ٹی حائل نہ ہوگا ۔جبکہ گائیڈ لائن نمبر 4 میں یہ کہا گیا ہے کہ اقلیتی تنظیموں کی جانب سے چلائے جانے والے اسکولوں پر آر ای ٹی کی دفعات کا اطلاق ہوگا۔واضح رہے کہ اس گائیڈ لائنس کی اپنی کوئی حیثیت نہیں ہے کیوں کہ یہ نہ تو پارلیمنٹ میں منظور شدہ ایکٹ میں کوئی ترمیم کر سکتی ہے اور نہ ہی اس پر اثر انداز ۔بلکہ گائیڈ لائنس اور پارلیمنٹ میں منظور کردہ ایکٹ میں کوئی تصادم ہو تو برتری بہر حال پارلیمنٹ میں پاس کردہ بل کو حاصل ہوگی۔

اس گائیڈ لائن میں شعوری طور پر دفعہ 25 اور 26 کے بجائے 29 اور 30 کا حوالہ دیا گیا ہے۔ذرا گائیڈ لائنس کے نمبر 3 اور 4 پر غور کیجیے کہ کس طرح سے لوگوں کو گمراہ کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔آخر اس میں جس ویدک پاٹھ شالہ کا ذکر ہے وہ کس مذہبی ولسانی اقلیت کا ادارہ ہے؟ یہ بتانے کی قطعی ضرورت محسوس نہیں کی گئی ہے۔اسی طرح جب لائن نمبر 3 میں اقلیتی ادارے کو مستثنیٰ کر دیا گیا تو پھر لائن نمبر 4 میں اقلیتی تنظیموں کی جانب سے چلائے جا رہے اسکولوں پر آر ای ٹی کی دفعات کے اطلاق کی بات کا کیا مطلب؟

سچائی یہ ہے کہ یہ گائیڈ لائنس محض ایک دھوکہ ہے اور لوگوں کو الجھانے کی سازش ہے۔کیوں کہ اس بات کا علم سبھوں کو ہے کہ اس سے سب سے زیادہ نقصان مسلمان اور مسلم اداروں کو ہی ہوگا کیوں کہ دیگر طبقات کو جس طرح آج ساری سرکاری سہولت حاصل ہے اسی طرح کل بھی حاصل ہو جائے گی۔معاملہ تو مسلمانوں کا ہے جس کا نہ تو کوئی طاقت ور قائد ہے اور نہ ہی مضبوط پلیٹ فارم ۔اگر آر ٹی ای میں ترمیم نہیں کی جاتی ہے تو اس سے نہ صرف ہندوستان کا تعلیمی مستقبل تباہ ہو کر رہ جائے گا بلکہ اقلیتی ادارے خصوصاً مدارس کا وجود بھی خطرے میں پڑ جائے گا اور اگر وہ کسی شکل میں باقی بھی رہ پائے گا تو اس کی خود مختاری تو کسی بھی صورت میں باقی نہیں رہے گی ۔اس لیے کہ آر ٹی ای کے مطابق ادارے کی مینجمنٹ کمیٹی میں 75 فیصد تعداد طلبا کے والدین یا سرپرستوں کی ہوگی ،یہی نہیں کل تعداد کا نصف حصہ خواتین پر مشتمل ہوگا۔20 فیصد طلبا کی تعداد کمزور طبقات کی ہوگی ،داخلہ کے لیے طلبہ سے نہ تو اہلیتی امتحان لیا جا سکتا ہے اور نہ کوئی فیس ،کھیل کود کے لیے وسیع پلے گراؤنڈ کا اہتمام ہوگا اور موسم کے اعتبار سے طلبا کے لیے سازگار عمارت کا انتظام۔ایسی صورت میں بھی کسی ادارے کا تعلیمی معیار اور اس کی خود مختاری کس طرح برقرار رہ پائے گی اس کا تو صحیح جواب ہمارے ملک کے ماہرین تعلیم ہی دے سکیں گے۔

لہٰذا اب ارباب علم و دانش پر لازم ہے کہ وہ بلا تاخیر مضبوط آواز بلند کریں اور دستور ہند کی دفعہ 25، 26 اور 29 و 30 کے تحفظ کے لیے قانونی طور پر آواز بلند کریں ورنہ وہ دن دور نہیں جب ہماری وہ درس گاہیں ویران ہو کر رہ جائیں گی جہاں اب تک قال اللہ وقال الرسول کی صدائیں بلند ہو رہی ہیں۔مسلم اداروں کے خلاف یہ زبردست سازش ہے جسے ہر حال میں ناکام بنانا ہوگا۔□□

تجزیہ

نوشاد عالم چشتی (علیگ)

مرزائی حقیقت کا اظہار

قسط -2

(ایک تحقیقی، تنقیدی اور تجزیاتی مطالعہ)

یہ مقالہ مبلغ اسلام عالمی سیمینار و کانفرنس منعقدہ 25-26 مارچ 2009ء، زیر اہتمام دارالعلوم علیمیہ جمداشاہی بستی (یوپی) میں پڑھا گیا۔ (چشتی)

مرزائی حقیقت کا اظہار کا تفصیلی جائزہ:

مبلغ اسلام کی یہ تصنیف جو سفر کی رواروی اور جہاز پر ملاقاتوں کے ہجوم میں لکھی گئی ہے، یقیناً ایک شاہکار تصنیف ہے۔ مرزائی مبلغ کی اشتہاری تحریر کا آپ نے جس وقار، سنجیدگی اور علمی متانت کے ساتھ تعاقب کیا ہے کوئی انصاف پسند اس سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ مرزا نیز مرزائیت کی تردید میں جو آپ نے طریق کار استعمال کیا ہے یقیناً وہ ایک اچھوتا انداز ہے۔ کتاب کے پہلے جز میں 'جماعت' اور 'مجددین اور الہام' کے عنوان سے گفتگو کی ہے، مگر اس سے پہلے آپ نے مرزا غلام احمد قادیانی کی مختلف پیش گوئیوں کو موضوعِ بحث بنا کر مرزا کی شخصیت کو ہی مجروح کر دیا ہے۔ آپ مرزا قادیانی کی تصانیف سے بحوالہ لکھتے ہیں کہ:

''(1) محمدی بیگم سے نکاح اور اس کے شوہر کے انتقال کی پیش گوئی کے متعلق جناب مرزا صاحب ارشاد فرماتے ہیں:

(الف) اِس پیش گوئی کی دوسری خبر پوری نہ ہوئی تو میں ہر ایک بد سے بدتر ٹھہروں گا۔

(ب) یہ تمام امور جو انسانی طاقت سے بالاتر ہیں ایک صادق یا کاذب کی شناخت کے لیے کافی ہیں۔

(ج) اگر میں جھوٹا ہوں تو یہ پیش گوئی پوری نہ ہوگی اور میری موت آ جائے گی۔

(د) برائے صدق خود یا کذب خود بعارمی گردانم۔

یہ ظاہر ہے، دنیا کو معلوم ہے کہ یہ پیش گوئی پوری نہ ہوئی۔ اس نکاح کی حسرت اور اپنی مطلوبہ کا داغِ مفارقت مرزا صاحب دل ہی میں لے کر مر گئے۔ پس اب مرزائی صاحبان ہی فیصلہ فرمائیں کہ مرزا صاحب اپنے قول کے مطابق بد سے بدتر کاذب اور جھوٹے بنے یا نہیں؟

(2) پھر ڈاکٹر عبدالحکیم خاں صاحب نے جب مرزائیت سے توبہ کرنے کے بعد یہ پیش گوئی فرمائی کہ صادق کے سامنے شریر فنا ہو جائے گا۔ تین سال کے اندر میرے سامنے مرزا صاحب مرجائیں گے۔ اس کے جواب میں مرزا صاحب نے اپنے اشتہار مجریہ 16 اگست 1906ء میں تحریر فرمایا خدا صادق اور کاذب میں فرق کر کے دِکھائے گا یہ کبھی نہ ہوگا کہ شریر اور مفتری کے سامنے صادق اور مصلح فنا ہو جائے۔ یہ کبھی نہیں ہوگا کہ میں ایسی ذلت اور لعنت کی موت سے مروں کہ عبدالحکیم خاں کی پیش گوئی کی میعاد میں ہلاک ہو جاؤں۔'' (مرزائی حقیقت کا اظہار، ص8)

مذکورہ بالا اقتباس پر مبلغ اسلام کا تبصرہ ملاحظہ کریں، آپ مرزائی مبلغ کے ایک بے جا اعتراض کے جواب میں لکھتے ہیں:

''دنیا کو معلوم ہے کہ مرزا صاحب اسی پیش گوئی کی میعاد یعنی 26 مئی 1908ء کو ہیضہ کی اسی وبائی بیماری میں جو بقول مرزا صاحب ان کے مخالفوں کے لیے بصورتِ عذاب آئی تھی خود مبتلا ہوئے، لاہور میں مرے اور قادیان میں دفن کیے گئے۔ اب فیصلہ حافظ صاحب اور ان کے رفقا ہی فرمائیں کہ مرزا صاحب بقولِ خود میعادِ پیش گوئی کے اندر ذلت اور لعنت کی موت سے مرے اور ان کے مرنے سے صادق و کاذب کا فرق ظاہر ہوا یا نہیں؟ میں نے اپنی طرف سے کبھی ان کی شان میں کوئی سخت کلمہ نہ استعمال کیا اور نہ میری عادت۔ اگر مرزا صاحب کے ان جملوں میں ان پر سخت سے سخت حملے ہیں تو ان کے ذمہ دار خود مرزا صاحب ہیں نہ کہ میں؟ اگر کوئی مرزائی ان سے کسی طرح جواب طلب کر سکتا ہے تو ضرور کر لے۔ میرے حقیقی اعتراض یا بقول حافظ صاحب سخت سے سخت حملے اگر تھے تو یہی تھے۔'' (نفس مصدر)

میرے نزدیک مبلغِ اسلام نے اپنی اس تصنیف میں اظہارِ حقائق اور ردّ مرزائیت کے لیے جو طریقۂ کار اپنی طرزِ تحریر میں اپنایا ہے وہ مندرجہ ذیل ہیں:

1. مرزا صاحب کے کلام سے ہی مرزا کے خلاف استدلال۔
2. مرزا کی تحریر و اقوال میں تعارض و تناقض کی نشاندہی۔
3. دعاوی مرزا کا تحلیلی جائزہ۔
4. قرآن و سنت سے مرزائی استدلال کا تنقیدی جائزہ۔
5. مرزا صاحب کا ایمان و اسلام۔

☆ موبائل: 919412562751+، ای میل: naushadchishti@yahoo.com

6. مرزائی مبلغ کی علمی حیثیت کا تعین۔
7. نقد و نظر۔
8. منطقی استدلال۔
9. ظرافت۔
10. وسعتِ قلبی۔

مرزا صاحب کی پیش گوئیوں اور ان کے اقوال کی روشنی میں مرزا کی شخصیت کو باطل پرست ثابت کرنے کے بعد مرزائی مبلغ کی فریب کاریوں کا پردہ چاک کرتے ہوئے مبلغِ اسلام لکھتے ہیں:

''میری تقریر کے بعض حصص پر اپنی کج فہمی کے سبب قطع و برید کرتے ہوئے اپنے خیالِ ناقص کا اظہار فرمایا ہے اور جو سوالات اس میں کیے اور جو تو جیہیں بیان کیں ان میں صرف مرزائی سرغناؤں کی نقالی کی ہے، جس کے جواب علمائے اسلام کی طرف سے بارہا دیے جا چکے اور ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں کی تعداد میں شائع ہو چکے تاہم شاید ماریشس کے لوگوں کی نظر سے کمتر گزرے ہوں۔ لہٰذا یہ دیکھتے ہوئے کہ حافظ (مرزائی) صاحب کی تحریر طویل میں بار بار ایک ہی بات کا تکرار ہے، مختلف عنوانوں کے ماتحت مختصراً عرض کیے دیتا ہوں۔ شاید کہ اس سے بھی کوئی ہدایت پا جاوے۔''
(نفس مصدر، ص 7)

'جماعت' کی تعریف اور اس کا مفہوم بتلانے کے لیے حدیثِ رسول **ماانا علیه و اصحابی** کی تشریح کرتے ہوئے مبلغِ اسلام اس حقیقت کو واضح کرتے ہیں کہ اسلام میں کوئی تفرقہ نہیں ہے۔ حنفی، شافعی، مالکی اور حنبلی کوئی فرقہ نہیں بلکہ عقائد میں سب ایک ہیں۔ (نفس مصدر، ص 7) اور مذکورہ چاروں مسالک **ماانا علیه و اصحابی** کی راہ پر قائم و دائم اور گامزن ہیں۔ مختلف اقوالِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں یہی مسالک سوادِ اعظم پر ہیں۔ اسی سوادِ اعظم کی اتباع کے لیے حدیث شریف میں مسلمانوں کے لیے حکم دیا گیا ہے کہ تم سوادِ اعظم کی پیروی کرو کیونکہ جو اس سے علیحدہ ہوا وہ جہنم میں گیا۔ (نفس مصدر، ص 8) سوادِ اعظم کے متعلق ہی خاتم المرتبت رسول گرامی کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ میری امت کو گمراہی پر جمع نہ کرے گا۔ اللہ کا ہاتھ جماعت پر ہے اور اس سے جو علیحدہ ہوا وہ جہنم میں گیا۔ (نفس مصدر، ص 8) مذکورہ احادیثِ رسول کی روشنی میں مدلل گفتگو کرنے کے بعد مبلغِ اسلام حاملانِ مرزائیت کو دعوتِ فکر دیتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں کہ:

''اب اگر مرزائی اجماعِ امت کے خلاف نئے نئے عقیدہ تراش کر اس سوادِ اعظم و جماعتِ مسلمین سے الگ ہوں تو وہ اپنا مقام دیکھ لیں۔ حدیث میں بتادیا گیا ہے۔ معمولی عقل والا انسان بھی اتنی سی بات کو سمجھ سکتا ہے کہ جماعت کا لفظ تیس کروڑ انسانوں کے گروہ پر صادق آ سکتا ہے یا گنے چنے چند مرزائی افراد پر۔'' (نفس مصدر، ص 8)

مرزائیت کے خلاف سوادِ اعظم کی تعریف و تشریح کے ساتھ اعداد و شمار کے بنا پر بھی ان کو باطل کا پرستار ثابت کرنے کے لیے احادیث سے عوامی فہم کو اپیل کرنے والا استدلال کیا ہے اور آپ کا یہ استدلال بہت عام فہم ہے اور ہر کسی کی سمجھ میں آسانی سے آ جانے والا ہے۔

مرزا صاحب کے کلام سے ہی مرزا صاحب کے خلاف استدلال:

مبلغِ اسلام نے اپنی تحریر میں اس طرز کا بخوبی استعمال کئی مقام پر کیا ہے۔ بطور نمونہ ایک مثال ملاحظہ کریں۔ مبلغِ اسلام لکھتے ہیں کہ حضرت مولانا غلام دستگیر صاحب قصوری رحمۃ اللہ علیہ کے استفسار کے جواب میں جناب مرزا صاحب علیہ ماعلیہ اپنے اشتہار مورخہ 20 شعبان 1314ھ (بمطابق 24 جنوری 1897ء، راقم) میں شائع فرماتے ہیں۔

1. ''ان پر واضح رہے کہ ہم بھی مدعیِ نبوت پر لعنت بھیجتے ہیں۔''
2. اشتہار مجریہ 2 اکتوبر 1891ء میں علمائے دہلی کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتے ہیں: (میں) سیدنا و مولانا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ختم المرسلین کے بعد کسی دوسرے مدعیِ نبوت و رسالت کو کاذب اور کافر جانتا ہوں۔'' (نفس مصدر، ص 15)

مگر اس کے برعکس مرزا قادیانی نے اپنی نبوت کو منوانے کے لیے جو پینترا بدلا ہے اور لفظوں کی ہیرپھیر سے جو خطرناک چال ختمِ نبوت کے عقیدے کے متعلق چلی ہے اس کی نشاندہی بھی مرزا کی مختلف تحریروں سے کرتے ہوئے مبلغِ اسلام بحوالہ لکھتے ہیں کہ:

1. انھوں نے نبوت و رسالت کا کھلا ہوا دعویٰ کیا کہ ہمارا دعویٰ ہے کہ ہم رسول اور نبی ہیں۔
2. سچا خدا وہی ہے جس نے قادیان میں نبی بھیجا۔
3. جس نے اپنی وحی کے ذریعہ چند امر اور نہی بیان کیے اور اپنی امت کے لیے ایک قانون مقرر کیا وہی صاحب الشریعت ہو گیا۔
4. اب تک میری وحی میں امر بھی ہوتے ہیں اور نہی بھی۔
5. اپنی وحی کو قرآن کریم کے جیسا بتایا۔
6. اپنے آپ کو تشریعی و غیر تشریعی نبیوں کے برابر ٹھہرایا۔
7. اپنے آپ کو صاحب شریعت اولوالعزم رسول حضرت عیسیٰ بن مریم

سے تو صاف طور پر بہتر بتایا۔ ان کا مشہور شعر ہے:

ابن مریم کے ذکر کو چھوڑو
اس سے بہتر غلام احمد ہے

(نفس مصدر، ص13)

عقیدۂ ختم نبوت کے خلاف خود ساختہ نبوت کے دعویدار مرزا غلام احمد قادیانی کے خلاف مرزائی تحریروں سے ہی استدلال کرتے ہوئے مبلغِ اسلام نتائج بیان کرنے ہوئے لکھتے ہیں:

’’ایک عالم فیصلہ کر چکا اور ماریشس کے مرزائی بھی عنقریب کریں گے۔ مرزا صاحب تو اپنے قول سے خود کفر کے دام میں پھنس چکے ہیں۔ اب وہ کہاں نکل کر جاتے ہیں۔ مجددیت و امامت و نبوت کا ذکر تو بعد میں کیا جائے (گا) پہلے ان کے ہوا خواہ ان کو کفر کے گڑھے سے تو نکالیں اگر نکال سکتے ہیں۔‘‘ (نفس مصدر، ص13)

مرزا کی تحریر و اقوال میں تعارض و تناقص کی نشاندھی:

مرزائی مبلغ حافظ صاحب نے عوام الناس کو مغالطے میں ڈالنے کا جو پُر فریب طریقہ اپنے اشتہار میں اختیار کیا تھا اس کا پردہ فاش مبلغِ اسلام نے بہت حکیمانہ انداز میں کیا ہے۔ مرزا کے جھوٹے الہامات کو صحیح ثابت کرنے کے لیے مرزائی مبلغ نے قرآنی آیات کے ناسخ و منسوخ کا مسئلہ اپنے اشتہار میں چھیڑا۔ مبلغِ اسلام مرزائی مبلغ کی اس حرکت پر گرفت کرتے ہوئے مرزائی الہامات میں اختلاف بہ اعتبار گزشتہ آئندہ اور حال کے متعلق تفصیل سے لکھا ہے۔ ایک حوالہ ملاحظہ کریں:

’’وحی الٰہی قرآن کریم یقیناً اختلاف سے قطعاً پاک، نہ اس کے الفاظ میں اختلاف نہ معانی میں تخالف، نسخ احکام حکمتِ ربانی پر دلیل، نسخ کو اختلاف کہنا کسی جاہل نہیں اجہل ہی کا کام ہو سکتا ہے۔ خدا کے کلام میں تو نہ اختلاف ہے نہ ہو سکتا ہے۔ ہاں جھوٹے الہام کی یہی پہچان کہ اس میں اختلاف ہوگا۔ چنانچہ اگر حافظ صاحب کو عجلت ہے تو ذیل کی مثال سے دیکھ لیں۔

اختلاف واقعات گزشتہ: مرزا جی اپنی کتاب براہینِ احمدیہ میں جس کے متعلق یہ دعویٰ بہ الہام الٰہی لکھی گئی فرماتے ہیں:

جب حضرت مسیح علیہ السلام دوبارہ اس دنیا میں تشریف لائیں گے ان کے ہاتھ سے دینِ اسلام جمیع آفاق واقطار میں پھیل جائے گا۔

اور پرانہی مسیح علیہ السلام کا دوبارہ آنا معتبر اور ان کی حیات کی خبر

(دوسرا رُخ) مرزا جی اپنی کتاب ’ازالہ اوہام‘ میں فرماتے ہیں:

اور میرے اوپر اپنے خاص الہام سے ظاہر کیا کہ مسیح بن مریم فوت ہو چکا ہے اور اس کے رنگ میں ہو کر وعدہ کے مطابق تو آیا ہے۔

اور پر اپنے مسیح ہونے پر اصرار اور ان کی حیات سے انکار فاعتبروا یا اولی الابصار۔‘‘ (نفس مصدر، ص27)

دعاوی مرزا کا تحلیلی جائزہ:

مرزا صاحب نے عجیب وغریب دعوے کیے ہیں۔ مبلغِ اسلام نے ان دعوؤں کا اپنی تحریر میں جا بجا تجزیہ کیا ہے۔ مبلغ اسلام ایک جگہ ’مرزا صاحب کا دعویٰ ابنیتِ خدا بلکہ اس سے بھی سوا‘ کے عنوان سے مختلف مرزائی تحریرات کی روشنی میں لکھتے ہیں کہ مرزا صاحب نے دعویٰ کیا کہ (معاذ اللہ) انھیں خدا کی طرف سے الہام ہوا۔

1. **انت منی بمنزلة اولادی** (تو مجھ سے بطور میری اولاد کے)
2. **انت منی و انا منک** (تو مجھ سے ہے اور میں تجھ سے)
3. **انت منی بمنزلة ولدی** (تو مجھ سے ہے بطور میرے بیٹے کے)
4. **اسمع ولدی** (اے میرے بیٹے سن!)
5. **انت من مائنا وهم من فشل** (تو ہمارے پانی (نطفہ) سے ہے اور وہ لوگ خشکی سے)

میں نے (مبلغِ اسلام نے۔ راقم) اپنی تقریر میں مرزا صاحب کے انہی کلمات کا حوالہ دیا اور یہ بتایا کہ خدائے قدوس کی شان کا آیت **لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُوْلَد** میں بیان، اس کا فرمان **لم یتخذ ولدا** مگر جناب مرزا صاحب نے کھلے لفظوں میں ابنیتِ خدا کا دعویٰ کیا۔ مرزا جی کے حمایتی جناب حافظ جی اپنی دو ورقی میں اس کے متعلق جو مزخرفات تحریر فرمائے ہیں وہ بالکل ایسے ہی ہیں جیسے مسیحیوں اور یہودیوں کی طرف سے حضرت مسیح و حضرت عزیر کی ابنیتِ خدا (معاذ اللہ) ثابت کرنے کے لیے پیش کیے جاتے ہیں۔ اس لیے کہ وہ بھی کہہ دیں گے کہ ہم ان کو ایسا حقیقی بیٹا تو نہیں کہتے جیسے کسی انسان کا بیٹا دوسرا انسان بھی ہوتا ہے بلکہ ایسا ہی بیٹا کہتے ہیں جیسا مرزا صاحب نے اپنے آپ کو بنایا، اور اسی جرم میں قرآن کریم نے ان کے حق میں یہ حکم نافذ فرمایا کہ **لقد كفر الذين** یقیناً ان لوگوں نے کفر کیا۔

پس جو جواب اس موقع پر نصاریٰ و یہود کے لیے ہے وہی جواب مرزائیوں کے لیے ہے۔ اسلامی علم مناظرہ کی کتابیں ایسے جوابوں سے بھری ہیں، جس کا دل چاہے دیکھ لے۔‘‘ (نفس مصدر، ص24)

مرزا صاحب کی ایک اور پیش گوئی کا پوسٹ مارٹم کرتے ہوئے

مرزائی مبلغ کے مبلغ علم کی قلعی بھی بہت شاندار انداز میں کھولی ہے۔ مبلغِ اسلام لکھتے ہیں:

’’مرزا صاحب نے پیش گوئی کی کہ ان کے (یہاں۔ راقم) ایک بیٹا ہوگا اور اس بیٹے کی صفت بیان فرمائی کہ گویا خدا آسمان سے اُتر آیا۔ ادنیٰ عقل والا بھی سمجھ جائے گا کہ **مظہر الحق و العلا** اور **کان الله نزل من السماء** دونوں فقرے اس غلام (لڑکے) کی صفت کا اظہار کررہے ہیں۔ پس اس غلام کو اللہ سے تشبیہ دی جانی ظاہر اور اعتراض ثابت۔

دوسرے یہ کہ اس پیش گوئی کے مصداق مرزا بشیر محمود صاحب ہیں یا کون؟ اس کا فیصلہ خود مرزا صاحب کی تحریر سے بآسانی ہوسکتا ہے۔ اس پیش گوئی کی خبر 20 فروری 1886ء کو دی گئی۔ مگر قدرتِ خدا، اس جھوٹ کا اظہار اللہ کو منظور تھا۔ اس وقت کے حمل سے لڑکی پیدا ہوئی نہ کہ لڑکا۔ جب اہلِ حق نے مرزا جی کو شرمایا اور پیش گوئی کا غلط ہونا بتایا تو جھٹ سے اشتباہ دے ڈالا کہ اس حمل کی شرط نہ تھی، وہ موعود بیٹا اس کے قریب دوسرے حمل سے ہوگا۔ آخر 17 اگست 1887ء کو ایک اشتہار دیا جس میں اعلان کردیا کہ 16 ذی قعدہ 1304ھ (بمطابق) 7 اگست 1887ء میں 12 بجے رات کے وہ موعود لڑکا پیدا ہوگیا، تب قدرتِ خدا نے وہ تماشا دکھایا کہ چند ہی روز کے بعد وہ لڑکا مرگیا۔

اب ناظرین فیصلہ کریں کہ مرزا جی نے تو وہ ساری خوبیاں 7 اگست 1887ء کو پیدا ہونے والے لڑکے میں بتائی تھیں۔ حافظ جی کہتے ہیں نہیں ان کے مصداق جناب بشیر محمود صاحب ہیں۔ مرزا جی کے الہام کا اختلاف تو ظاہر ہی تھا۔ یہاں گرو اور چیلے میں بھی اختلاف ہوگیا۔ وہ مرنے والے کو سب کچھ ٹھہرائیں۔ یہ جینے والے کو چنیں وچناں بتائیں۔‘‘ (نفس مصدر، ص30)

قرآن و سنت سے مرزائی استدلال کا تنقیدی جائزہ:

دیگر باطل فرقوں کی طرح مرزائی بھی سادہ لوح عوام کو اپنے جال میں پھانسنے کے لیے بات بات پر قرآن وسنت کا نام لیتے ہیں، لیکن یہ ان کا فریب ہوتا ہے۔ بقول شاعرِ مشرق علامہ اقبال:

خود بدلتے نہیں قرآں کو بدل دیتے ہیں
ہوئے کس درجہ فقیہانِ حرم بے توفیق
ان غلاموں کا یہ مسلک ہے کہ ناقص ہے کتاب
کہ سکھاتی ہیں مومن کو غلامی کے طریق

مرزائیت کے پیروکار و مبلغین نے بھی اپنے باطل مذہب کے نشر و اشاعت میں بڑی سرگرمی کا مظاہرہ کیا ہے اور اس کے لیے انھوں نے قرآن وسنت کو بازیچۂ اطفال بناکے رکھ دیا ہے۔ ماریشس کے مرزائی مبلغ حافظ جی نے بھی اپنے اشتہار میں یہی کردار ادا کیا۔ مبلغِ اسلام مرزائی حافظ کے مکروفریب سے عوام الناس کو آگاہ فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:

’’حافظ جی جن کو اتنی لیاقت بھی نہیں کہ مبتدا وخبر، فاعل ومفعول، مضارع واسم ظرف بلکہ مذکر ومؤنث کو بھی پہچان سکیں۔ قرآن کریم پر ہاتھ صاف کرنے کی جرأت فرماتے ہیں اور ماریشس کے بھولے بھالے لوگوں کو جس طرح چاہتے ہیں بہکاتے ہیں۔‘‘ (نفس مصدر، ص20)

مزید مرزائی مبلغ کے ترجمہ قرآن میں کی گئی تحریف کو واضح کرتے ہوئے مبلغِ اسلام لکھتے ہیں کہ:

’’آیت **قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ عَلٰى بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ** کو پیش کرتے ہوئے اس کا من گھڑت ترجمہ کرنا اور **مَنِ اتَّبَعَنِي** کو صرف صحابہ تک محدود کرتے ہوئے بارہ سو برس کے لیے تبلیغ کے دروازہ کو بند سمجھنا اس لیے کہ اس عرصۂ دراز میں کسی مجدد نے یہ دعویٰ نہ کیا کہ میرا الہام حجت شرعی ہے، اس کو مانو اور جو اس کو نہ مانے گا وہ کافر ہوگا۔ بقول حافظ صاحب اس لیے کوئی عالم بھی صحیح علم کا وارث نہ بنا اور حق پر نہ رہا تو ان کے تبلیغ دین کرنے سے جو مسلمان ہوئے بقول حافظ صاحب وہ بھی حق پر نہ ہوئے۔ غرض اس طرح صرف مرزائی جماعت کے حق پر ثابت کرنے کے لیے حافظ صاحب کا بارہ سو برس کے تمام مسلمانوں کو معاذ اللہ حق پر نہ ہونے کا حکم لگادینا اور صرف مرزائی مبلغین کو اس کا مصداق بنانا ویسی ہی خود رائی ہے جس کے لیے سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہورہا ہے کہ جس نے قرآن کی تفسیر اپنی رائے سے کی اس کو چاہیے کہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنائے۔

مرزائی صاحبان آریوں اور عیسائیوں کو تو کیا مسلمان بنائیں گے مرزا صاحب کے زمانہ اور اس کے بعد کے مسلمانوں پر خود مرزا صاحب اور ان کے بلند اقبال صاحبزادہ نے کفر کا حکم لگایا تھا۔ صاحبزادہ کے شاگرد حافظ صاحب استاد سے بھی آگے بڑھے اور انھوں نے پہلوں پر بھی ہاتھ صاف کیا۔ حافظ صاحب نے اشتہار بازی کی جرأت تو کی مگر جہالت کا یہ عالم کہ مذکر ومؤنث کی تمیز نہیں۔ طائفہ کے لیے لایزال لکھ رہے ہیں۔

پھر حدیث میں خیانت اور بددیانتی اس درجہ، دجل وفریب کا یہ عالم کہ صرف ایک جملہ اپنے مزعومہ مطلب کو خواہ مخواہ ثابت کرنے کے لیے نقل کردیا۔ بعض کو ماننے اور بعض کے ساتھ کفر کرنے کا یہی طریقہ ہے کہ اوّل وآخر کو لکھا ہی نہیں۔ اس لیے کہ ان جملوں کو لکھتے تو مرزائیت کا سارا

پول کھل جاتا اور مدعیِ نبوت کا کذاب ہونا حدیث نبوی سے ظاہر ہو جاتا۔ کیوں کہ حضرت فرماتے ہیں: میری امت میں 30 جھوٹے پیدا ہونے والے ہیں۔ ان میں سے ہر ایک یہ دعویٰ کرے گا کہ وہ نبی ہے۔ حالاں کہ میں خاتم النّبیین ہوں۔ میرے بعد کوئی نبی نہیں، میری امت میں ہمیشہ ایک گروہ حق پر رہے گا اور غالب رہے گا۔ اس کے مخالف اسے ضرر نہ پہنچا سکیں گے۔ یہاں تک کہ خدا کا حکم یعنی قیامت آ جائے۔

اس حدیث نے صاف بتا دیا اور پہلے جملے کے معنی نے بالکل کھول دیا کہ یہی گروہ علما و مجددین وحی والہامِ خاتم النّبیین پر قائم رہیں گے۔ اپنے الہام کو شرعی حجت نہ بنائیں گے۔ مرزا صاحب کی طرف نبوت کا دعویٰ کرنا اور اپنے مفروضہ الہام کو وہی درجہ دینا جو قرآن کریم کا ہے، جھوٹوں کا شیوہ ہے۔ (نفس مصدر، ص10، 11، 12)

قرآن و حدیث کے الفاظ و معانی، ترجمے و تشریح اور تفاسیر سلف میں تحریف و خیانت کی مرزائی چالوں کو مبلغِ اسلام نے اپنی اس تحریر میں کئی جگہ طشت از بام کیا ہے، جس کا ایک نمونہ میں نے آپ کے سامنے پیش کیا ہے۔ حدیث میں مرزائی تحریف اور اس پر مبلغِ اسلام کی گرفت کی ایک اور مثال قارئین کی نذر ہے، ملاحظہ کریں مبلغِ اسلام لکھتے ہیں:

''مجدد کی حدیث حافظ صاحب نے تحریر فرمائی۔ اس کے الفاظ کی ترتیب میں ایسا بیہودہ تصرف بھی کیا اور لکھا رأس مائة کل سنة جس کی غلطی ایک ادنیٰ متعلّم عربی بھی بتا دے گا، مگر معنی میں کچھ تصرف کر کے بھی یہ نہ دکھایا کہ وہ مجدد ملہم ہوں گے اور ان کا علم شرعی حجت بھی ہوگا۔'' (نفس مصدر، ص9-10)

مرزا صاحب کا ایمان و اسلام:

مرزا صاحب کی شخصیت، ان کا دعویٰ، الہام، تحریک اور فلسفہ سب کچھ بڑی پیچیدگی کے حامل ہیں۔ سچ بات یہ ہے کہ:

''یہ وہ معمہ ہے جو نہ سمجھنے کا اور نہ سمجھانے کا''

1868ء کے آخر یا 1869ء میں مرزا صاحب کو پہلا 'الہام' ہوا۔ 1876ء سے اپنے والد کی وفات کے بعد مرزا صاحب نے باقاعدہ ''پبلک زندگی'' کا آغاز کیا۔ 2 مارچ 1878ء کو آریہ سماج کے خلاف پہلا ''اشتہار'' شائع کر کے اشتہار بازی کی داغ بیل ڈالی۔ 1879ء سے 1884ء کے درمیان میں مرزا صاحب نے اپنی پہلی تصنیف 'براہینِ احمدیہ کی جلد اوّل' شائع کیا۔ مارچ 1882ء میں 'مامور من اللہ' کا دعویٰ کیا۔ 1885ء میں ایک اشتہار کے ذریعہ مرزا صاحب نے 'دعوائے مجددیت' کیا۔ اور اس دعوے میں انھوں نے اس بات کا اعلان کیا کہ ''میں مجددِ وقت ہوں اور روحانی طور پر میرے کمالات مسیح ابنِ مریم کے کمالات سے مشابہ ہیں۔'' یکم دسمبر 1888ء سے بذریعہ الہام خدا سے حکم پا کر اپنی 'بیعت عام' کا اعلان کیا اور شرائطِ بیعت میں اطاعتِ گورنمنٹ کا اصول بھی شامل تھا۔ 1891ء میں دعوائے 'مثلِ مسیح' کیا اور کہا کہ مسیح ابنِ مریم فوت ہو چکا ہے اور میں اس کے رنگ میں ہو کر وعدہ کے مطابق آیا ہوں۔ 1891ء میں مرزا صاحب نے مثلِ مسیح سے دستبردار ہو کر کامل مسیح یعنی 'مسیح موعود' ہونے کا دعویٰ کیا۔ 1900ء میں مرزا صاحب نے جہاد بالسیف کی تنسیخ کا حکم فرمایا۔ 1901ء میں مکمل 'دعوائے نبوت' کیا۔ 1902ء میں مسلمانوں کے علاوہ اہلِ ہنود کو بھی اپنی گرفت میں لینے کے لیے اپنے آپ کو کرشن اوتار ہونے کا دعویٰ کیا۔ مرزا صاحب کے ان تمام دعاویٰ اور الہامات کو ان کی تحریروں سے باحوالہ نقل فرما کر مبلغِ اسلام لکھتے ہیں:

''مرزا جی کا حال ہی یہ ہے کہ وہ اپنے مزعومہ الہاموں میں کبھی خدا بنتے ہیں، کبھی خدا کے بیٹے، کبھی تثلیث کے ایک رُکن، کبھی رسول صاحبِ شریعت، کبھی نبی غیر صاحبِ شریعت، کبھی مسیح، کبھی مہدی، کبھی مجدد اور پھر کبھی کرشن، بلکہ اسی پر بس نہیں، کبھی مرد، کبھی عورت۔ اگرچہ ہماری تہذیب ہمیں یہ طرف تماشہ پیش کرنے کی اجازت نہیں دیتی۔ مگر حافظ صاحب ہمیں جھوٹ کا الزام دے رہے ہیں، لہٰذا ہم حوالہ نقل کرنے کے لیے مجبور۔'' (نفس مصدر، ص38)

مبلغِ اسلام نے مرزائی افکار و نظریات کی حقیقت کو سادہ لوح عوام پر مزید واضح کرنے کے لیے مرزا صاحب کا ایمان باللہ، ایمان بالرسول، ایمان بالملائکہ، ایمان بالکتب، ایمان بالیوم الآخرہ کو عنوان بنا کر اس موضوع پر اختصار کے ساتھ مگر بڑی جامعیت کے ساتھ لکھا ہے۔ مرزا صاحب کے کرشن اوتار ہونے پر آپ نے مرزا کی جو گرفت فرمائی ہے وہ بہت دلچسپ ہے۔ آپ نے گیتا اور بھاگوت پران کے حوالوں سے 'سری کرشن جی اور ان کے رُوپ' کے عنوان سے جو کچھ لکھا ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ مبلغِ اسلام اہلِ ہنود کی مذہبی کتب و اشخاص پر بھی گہری نظر رکھتے ہیں۔ کرشن رُوپ پر ہندو مذہبی کتاب بھگوت گیتا سے ایک رُخ پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں:

''ناظرین نے اس رُوپ یا تصویر کے ایک رُخ میں دیکھ لیا کہ سری کرشن جی خدائی کا دعویٰ کر رہے ہیں۔ رُوپ لینے کی حقیقت پر بھی آپ نے غور کر لیا کہ خدا کے اس جسم محدود میں آ جانے کا نام روپ لینا ہے یا

اوتار بنتا رہے ہیں۔'' (نفس مصدر، ص42)

اوتار کی مذکورہ تعریف مبلغ اسلام کا خود ساختہ نہیں ہے، بلکہ تمام ہندو مذہبی عالم اوتار کی یہی تعریف کرتے ہیں، میں اپنے دعوے کی تائید میں ایک دقیق النظر ہندو فلسفی بابو بھگوان داس بنارسی کا یہ قول پیش کر رہا ہوں۔ موصوف لکھتے ہیں:

''ہندوؤں کے ہاں ایک مشہور مسئلہ اوتاروں کا ہے۔ عام ہندوؤں کا عقیدہ یہ ہے کہ 'خدا اپنے تئیں' دُنیا کے سامنے وقتاً فوقتاً مختلف قالبوں میں پیش کیا کرتا ہے۔ چنانچہ رام چندر، کرشن وغیرہ خدا کے اوتار ہوئے ہیں۔'' (کچھ ہندو مت کے بارے میں، اشاعت اوّل 1993، مرتب و ناشر خدا بخش لائبریری، پٹنہ، ص78)

اوتار کی حقیقت واضح کرنے کے بعد مبلغ اسلام بڑی دقت نظری کا ثبوت دیتے ہوئے سری کرشن اور مرزا جی کا جو تقابلی جائزہ لیا ہے وہ لائق مطالعہ ہے۔ مبلغ اسلام لکھتے ہیں:

''ہم تہہِ دل سے جناب مرزا صاحب کی اس بات کی تصدیق کے لیے تیار ہیں کہ یقیناً ان کے اور کرشن جی کے دعوے یکساں ہیں اور ان دعوؤں کے اعتبار سے وہ یقیناً کرشن جی کہے جاسکتے ہیں۔ بطور تمثیل مرزا جی کا دعویٰ ملاحظہ ہو اور پھر دونوں کے دعوؤں کا مقابلہ کرلیا جائے۔ مرزا جی کتاب البریہ صفحہ 79 پر فرماتے ہیں: کشف میں دیکھا کہ میں خود خدا ہوں اور یقین کیا کہ وہی ہوں۔ اسی حالت میں یہ کہہ رہا تھا کہ ہم ایک نیا نظام اور نیا آسمان اور نئی زمین چاہتے ہیں۔ سو میں نے آسمان و زمین کو اجمالی صورت میں پیدا کیا...... پھر میں نے آسمانِ دُنیا کو پیدا کیا اور کہا انا زینا **السمآء الدنیا بمصابیح**۔ پھر میں نے کہا کہ اب ہم انسان کو مٹی کے ...... سے پیدا کریں۔'' (مرزائی حقیقت کا اظہار، ص42)

مبلغِ اسلام نے مرزا جی اور کرشن جی کے اقوال سے ثابت کیا کہ یہ دونوں اپنے آپ کو سبھی مخلوق کا خالق و مالک سمجھتے ہیں۔ اس لیے مرزا جی اور ان کے دعاوی الہامات کا اسلامی عقیدے سے کوئی تعلق ہی نہیں ہے۔ کیوں کہ اوتار کی اس مذکورہ تعریف کے مطابق کوئی نبی، رسول، محدث، مجدد، اوتار ہو ہی نہیں سکتا۔ یہ اسلام کے بنیادی عقیدے کے خلاف ہے اور اسی طرح کوئی مدعی اوتار نہ نبی ہوسکتا ہے نہ رسول نہ محدث اور نہ مجدد۔ اسی لیے مبلغِ اسلام مرزا جی کے متعلق لکھتے ہیں کہ:

''علمائے اسلام جناب مرزا صاحب سے ان کے اسلام کا ثبوت کیوں نہ طلب کریں جب کہ مرزا صاحب اپنے کافر و کاذب و لعنتی ہونے کا فتویٰ خود اپنے قلم سے دے رہے ہیں۔'' (نفس مصدر، ص14)

مبلغِ اسلام مرزائی مبلغ حافظ جی کو مخاطب کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''پس مرزا صاحب کے تو دعوے ہی ان کی تکذیب کی بڑی دلیل ہیں۔ آپ کہیں ان کی مجددیت کا راگ الاپتے ہیں، کہیں امامت کا ذکر کرتے ہیں۔ آگے چل کر نبوت و رسالت غیر تشریعی کا حکم لگاتے (ہیں) پھر ان کو فی الجملہ تشریعی بھی مانتے ہیں۔ اس لیے ان کے نہ ماننے والوں کو کافر اور باطل ٹھہراتے ہیں۔'' (نفس مصدر، ص13)

مبلغِ اسلام اسلامی تعلیمات کی روشنی میں مرزا صاحب کی اصلیت کو ظاہر کرتے ہوئے ایک مقام پر رقم طراز ہیں کہ:

''تعجب اس پر ہے جس (مرزا صاحب) کا (انبیا کا) مظہر ہونا تو کجا مسلمان ہونے پر بھی کوئی دلیل شرعی نہ قائم ہوتی ہو اور وہ یہ دعویٰ کرے کہ میں نبی ہوں، میں رسول ہوں، میں سب نبیوں سے افضل ہوں (العیاذ باللہ) پھر اجتماع ضدین سونے پر سہاگہ کہ ایک طرف نبی و رسول ہونے کا دعویٰ دوسری طرف کرشن جی کا اوتار لینے کا ادعا:

بہ بیں تفاوت رہ کجاست تا بہ کجا (نفس مصدر، ص40-41) (جاری)

خطاب: مولانا یٰسٓ اختر مصباحی☆
ترتیب: محمد ارشاد عالم نعمانی

سوادِ اعظم اہل سنت کانفرنس کا صدارتی خطاب

مورخہ 3 جمادی الاوّلیٰ 1433ھ مطابق 27 مارچ 2012ء (شب سہ شنبہ) کو خانقاہ قادریہ ایوبیہ پیراکنک ضلع کشی نگر (مشرقی یوپی) اور ''تحریک جماعت اہل سنت'' کے زیر انتظام ''سوادِ اعظم اہلِ سنت کانفرنس'' زیرصدارت حضرت مولانا یٰسٓ اختر مصباحی مدظلّہ العالی بانی و صدر دارالقلم، ذاکر نگر، نئی دہلی اور زیر قیادت قاری سبطین رضا قادری ایوبی، سجادہ نشین خانقاہِ قادریہ ایوبیہ و صدر تحریک جماعت اہلِ سنت نہایت کامیابی کے ساتھ منعقد ہوئی، جس میں حضرت مولانا محمد احمد اعظمی مصباحی صدر المدرسین جامعہ اشرفیہ مبارک پور و حضرت مفتی محمد نظام الدین رضوی صدر مفتی جامعہ اشرفیہ مبارک پور اور حضرت مولانا فروغ احمد اعظمی مصباحی (صدر المدرسین دارالعلوم علیمیہ، جمداشاہی، ضلع بستی، یوپی)نے خطابات سے سامعین کو نوازا۔ ذیل میں حضرت مولانا یٰسٓ اختر مصباحی دام ظلہ' کا صدارتی خطبہ جو اس کانفرنس کی تاریخی اہمیت اور ''سوادِ اعظم اہلِ سنت'' کے تعارف پر مشتمل ہے، اس کے کچھ اہم حصے افادۂ عام کے لیے قارئین کی خدمت میں پیش کیے جارہے ہیں۔ (ارشاد نعمانی)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَبْدَعَ الْاَفْلَاکَ وَالْاَرْضِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ کَانَ نَبِیّاً وَآدَمُ بَیْنَ الْمَاءِ وَالطِّیْنِ. اَمَّابَعْد

اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ. صَدَقَ اللّٰہُ الْعَلِیُّ الْعَظِیْم

محترم سامعین! ''سوادِ اعظم اہلِ سنت'' کے نام سے اس تاریخی کانفرنس کے انعقاد پر ہم سب سے پہلے قاری سبطین رضا قادری ایوبی کو ہدیۂ تبریک پیش کرتے ہیں جنھوں نے اس اہم موضوع پر کانفرنس کا انعقاد کر کے جماعت اہلِ سنت، سوادِ اعظم اہلِ سنت کے تعارف وتشہیر کے لیے نہایت مفید قدم اُٹھایا ہے۔ آپ کی اس سرزمین پر ''سوادِ اعظم اہلِ سنت'' کے موضوع پر منعقد ہونے والی اس کانفرنس کے اثرات اِن شاءاللہ وسیع اور ہمہ گیر سطح پر ہوں گے اور اس نام سے ملک کے دیگر مقامات پر بھی کانفرنسیں منعقد ہوں گی۔ یہ آپ کے لیے بہت ہی اعزاز وافتخار کی بات ہے۔

''سوادِ اعظم اہلِ سنت و جماعت'' یہ ہمارا نام ہے جو الفاظِ حدیث سے مستنبط اور ماخوذ ہے۔ ایک حدیث مبارک جسے آپ اس سے پہلے سن چکے ہیں۔ ابن ماجہ شریف کی حدیث ہے:

اِتَّبِعُوْا السَّوَادَ الْاَعْظَمَ فَاِنَّہ' مَنْ شَذَّ شُذَّ فِی النَّارِ ۔ سوادِ اعظم کی اتباع کرو، کیونکہ جو اس سے الگ ہوا وہ جہنم میں گیا۔

''سوادِ اعظم'' کا لفظ سن کر کے بہت سے لوگ یہ سوچ رہے ہوں گے کہ سوادِ اعظم کا مطلب کیا ہے؟ معنی کیا ہے؟ مفہوم کیا ہے؟ سوادِ اعظم کہتے ہیں بڑی جماعت کو، جمہور امت کو۔ سوادِ اعظم کا یہ لفظ حدیث رسول سے ماخوذ ہے۔

ایک دوسری حدیث میں ہے۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: عَلَیْکُمْ بِسُنَّتِیْ وَسُنَّۃِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِیْنَ الْمَھْدِیِّیْن. تمھارے اوپر لازم ہے کہ میری سنت اور میرے ہدایت یافتہ خلفا کی سنت کی پیروی کرو، ان کے ساتھ وابستہ رہو۔

اس حدیثِ رسول کی روشنی میں ہم اپنے آپ کو اہلِ سنت کہتے ہیں۔ گویا یہ سوادِ اعظم اور یہ اہلِ سنت دونوں سنّی نام ہیں۔ ایک حدیث میں ہے: عَلَیْکُمْ بِالْجَمَاعَۃ. اور دوسری حدیث ہے: یَدُاللّٰہِ عَلَی الْجَمَاعَۃ. ان احادیث میں جماعت کے ساتھ رہنے کی تاکید و ہدایت اور جماعت کے لیے نصرتِ الٰہی کی بشارت ہے۔ اس طرح پورا نام ہوا ''سوادِ اعظم اہلِ سنت و جماعت۔''

اہلِ سنت و جماعت کون ہیں؟ سوادِ اعظم کون ہیں؟ ایک حدیث ہے جس میں رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''یہ امت تہتر فرقوں میں بٹ جائے گی۔ 'کُلُّھَا فِی النَّار' سارے فرقے جہنم میں ہوں گے سوائے ملتِ واحدہ کے، ایک ملت کے۔ سوال کیا گیا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہ وہ ملت کون سی ہوگی؟ آپ نے ارشاد فرمایا: مَااَنَا عَلَیْہِ وَ اَصْحَابِی۔ جس پر میں اور میرے صحابہ ہیں۔ اس پر گامزن رہنے والے ہی جنتی ہیں۔

دعویٰ ہر فرقہ کا ہے کہ ''مَااَنَا عَلَیْہِ وَاَصْحَابِی'' کے مصداق ہم ہیں، سوادِ اعظم ہم ہیں، اہلِ سنت ہم ہیں۔ اس کا پتہ کیسے چلے؟ اس سلسلے میں اہلِ سنت کے نہایت عظیم المرتبت محدث حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلوی نے بڑی عمدہ گفتگو کی ہے اَشِعَّۃُ اللَّمْعَات شرح مشکوٰۃ میں۔ اور

☆ بانی وصدر دارالقلم، ذاکر نگر، نئی دہلی-25

انھوں نے فرمایا ہے کہ: اس سے پہلے کی جتنی بھی اہم کتابیں ہیں اکٹھا کر لی جائیں اور ان کی روشنی میں تحقیق کر کے نتیجہ نکالا جائے تو یہ اہلِ سنت ہی سوادِ اعظم ہیں، اور یہی ''مَـا اَنَا عَلَیْہِ وَاَصْحَابِی'' کا مصداق ہیں۔ تفسیر و حدیث اور فقہ و کلام کی صدیوں قدیم کتابوں سے یہی ثابت ہے۔

الحمدللہ! کل بھی یہ سوادِ اعظم تھے اور آج بھی سوادِ اعظم ہیں۔ یہاں تک کہ جب شاہ محمد اسمٰعیل دہلوی کی تقریروں اور تحریروں کے نتیجے میں ہندوستان کے اندر فرقے کی بنیاد پڑی، فرقۂ وہابیہ کی 1240ھ/ 1824ء میں، اُس وقت بھی جامع مسجد دہلی کے اندر جو مباحثہ اور مناظرہ ہوا اس کی روداد بیان کرتے ہوئے ابوالکلام آزاد نے کہا ہے۔ یہ ایک کتاب ہے 'آزاد کی کہانی آزاد کی زبانی'۔ عبدالرزاق ملیح آبادی نے جسے مرتب کیا ہے۔ ابوالکلام آزاد نے یہ کہا ہے کہ: شاہ اسمٰعیل دہلوی سے یہ مباحثہ جو ہوا اس میں سارے علمائے دہلی ایک طرف تھے اور شاہ اسمٰعیل دہلوی اور ان کے ماننے والے ایک مولوی عبدالحئی ایک طرف۔ اور ابوالکلام آزاد کے بقول: شاہ نورالدین دہلوی شاگرد شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی اس مناظرہ کے انعقاد کے سلسلے میں اور شاہ اسمٰعیل کے تعاقب میں پیش پیش تھے۔

مباحثۂ جامع مسجد دہلی میں مولانا شاہ مخصوص اللہ دہلوی و مولانا شاہ محمد موسیٰ دہلوی فرزندانِ شاہ رفیع الدین دہلوی، فرزند شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، و علامہ فضلِ حق خیرآبادی و مولانا رشید الدین خاں دہلوی تلامذۂ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی و دیگر علما و مشائخ اہلِ سنت نے شاہ محمد اسمٰعیل دہلوی اور ان کے ہم خیال مولوی عبدالحئی بڈھانوی کو بالکل عاجز و ساکت و لاجواب کر دیا۔

گویا 1240ھ/ 1824ء میں بھی سوادِ اعظم اہلِ سنت ہی تھے اور اس سے جو الگ ہوئے ان میں قابلِ ذکر جو جامع مسجد میں مباحثہ میں نام تھا وہ صرف دو تھے اور سارے کے سارے علما و مشائخ اہلِ سنت و جماعت تھے۔

یہ ہندوستان کے 1240ھ/ 1824ء کی بات ہے اور ہندوستان کے اندر سوادِ اعظم اہلِ سنت و جماعت کے نمائندہ وہ علما و مشائخِ کرام بھی ہیں، مختلف صدیوں اور ادوار کے۔ اور آپ جانتے ہیں کہ ہندوستان کے اندر اسلام کی نشر و اشاعت صوفیہ و مشائخِ کرام کے ذریعہ زیادہ ہوئی۔

حضرت داتا گنج بخش ہجویری لاہوری، حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی، حضرت خواجہ معین الدین چشتی، حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی، حضرت محبوبِ الٰہی نظام الدین اولیا، حضرت مخدوم سید اشرف جہاں گیر سمنانی، حضرت مخدوم شرف الدین احمد یحییٰ منیری اور اس طرح کے اکابر صوفیہ و مشائخِ کرام یہ اہلِ سنت کے قائد اور سالار تھے، اور دُنیا جانتی ہے کہ یہ سارے کے سارے صوفیہ و مشائخ سنی تھے اور سنی ہونے کے ساتھ حنفی بھی۔

لوگ آج کل بہت بڑھ چڑھ کر باتیں کرتے ہیں اتحادِ امت کی اور اتحاد بین المسلمین کی۔ میں ان سے کہتا ہوں کہ یہ شخصیات جن کے ذریعے ہندوستان کے اندر اسلام کی روشنی پھیلی، ان کے مذہب و مسلک پر سب لوگ آ جائیں تو آٹومیٹک ساری امت کا اتحاد ہو جائے گا۔ اس کے لیے کچھ کہنے سننے کی ضرورت ہی پیش نہیں آئے گی۔

یہ تو ماضی کی بات ہے، ابھی حجازِ مقدس کی بات چل رہی تھی۔ سن 1982-83ء کی بات ہے۔ میں مسجد نبوی شریف (مدینہ طیبہ) سے عصر کی نماز پڑھ کر نکل رہا تھا۔ باہر بابِ مجیدی کی طرف جا رہا تھا۔ حضرت مولانا ضیاء الدین مہاجر مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے دولت کدے کی طرف، جن سے نجدی قاضی سے مباحثہ کی ایک بات حضرت علامہ (محمد احمد) مصباحی نے بیان کی۔ میں انھیں کے گھر جا رہا تھا۔ راستے میں ایک ہندوستانی ندوی اصلاحی مل گیا، جو مجھے ہندوستان ہی سے جانتا تھا، اس نے مجھ سے کہا کہ: یہاں تو سب آپ ہی کے لوگ نظر آتے ہیں۔

وہ مدینہ یونیورسٹی میں لکچرر تھا اور کئی سال سے مدینہ طیبہ میں رہ رہا تھا۔ اس نے اپنا مشاہدہ بیان کیا کہ: یہاں تو آپ ہی کے لوگ زیادہ نظر آتے ہیں۔ آپ ہی کے لوگ کا مطلب یہ ہے کہ سنی زیادہ نظر آتے ہیں۔ تو میں نے اس سے کہا کہ: یہاں ہمارے لوگ نہیں تو کیا تمھارے لوگ نظر آئیں گے؟ تو یہ مدینہ طیبہ کا حال اس زمانے میں بھی تھا، اور لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ سعودیہ میں سب کے سب یا اکثر وہابی ہی ہیں۔ ایسا معاملہ نہیں۔ سعودیہ کے دو حصے اور دو علاقے اور دو خطے ہیں۔ ایک کا نام ہے نجد اور ایک کا نام ہے حجاز۔ یوپی اور بہار سمجھ لیجیے۔ نجدی حصے (ریاض، ظہران، دمام، عسیر، احسا وغیرہ) میں وہابی رہتے ہیں۔ حجاز کا حصہ جس میں مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ، جدہ اور طائف ہیں۔ یہاں کی قدیم آبادی پہلے بھی سنی تھی اور آج بھی ہے، صرف حکومتی عہدوں اور مناصب پر نجدیوں کے منتخب افسر ہوتے ہیں۔ اس لیے بظاہر لگتا ہے کہ یہی زیادہ ہیں حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ بلکہ جو اصلی حجازی ہیں وہ پہلے بھی سنی تھے اور آج بھی سنی ہیں اور ابھی حضرت شیخ محمد بن علوی مالکی جن کا سن 2004ء میں انتقال ہوا ہے، حرمین طیبین کے جلیل القدر خاندانی محدث و عالمِ دین و شیخِ طریقت تھے۔ انھوں نے سارے نجدی شیوخ کو چیلنج کیا تھا کہ جو مجھ سے بحث کرنا چاہے، بحث کر لے لیکن کوئی ان کے سامنے نہیں آیا۔ اور ان کا ادب و احترام اتنا زیادہ تھا کہ خود سعودی حکومت بھی ان کی طرف آنکھ اُٹھانے اور ان پر ہاتھ ڈالنے کی جرأت و ہمت

نہیں کر سکتی تھی۔ تو یہ ماضی قریب اور آج کا حال ہے حجازِ مقدس کا۔

وہاں پر صرف حکومتی سطح پر قبضہ ہے نجدیوں کا، عوامی سطح پر آج بھی سینکڑوں، ہزاروں گھروں میں میلاد شریف ہوتا ہے اور میں خود مدینہ طیبہ اور مکہ مکرمہ سے لے کر ریاض تک بے شمار محافل میلاد میں شرکت کر چکا ہوں۔

تو یہ 'سوادِ اعظم اہلِ سنت و جماعت کانفرنس' یہ پیغام دینے کے لیے منعقد ہوئی ہے کہ جو قدیم سوادِ اعظم ہے، جو قدیم اہلِ سنت ہیں، ان کی راہ پر سب لوگ آ جائیں، یہ بعد کے جو نوزائیدہ مسالک اور مسائل ہیں یہ آٹومیٹک ختم ہو جائیں گے۔ ان کا کوئی وجود ہی کہیں باقی نہیں رہے گا۔ اہلِ سنت کے تعلق سے اپنی لاعلمی اور عناد و مخاصمت کی وجہ سے، بہت سی باتیں کہی جاتی ہیں۔ ان میں سے ایک بات یہ کہی جاتی ہے کہ: ''مولانا احمد رضا خاں صاحب بریلوی نے ہندوستان کے اندر مسلکی اختلاف پھیلایا۔'' ان ناواقفوں یا مخالفوں کو معلوم نہیں کہ 1240ھ میں جب تقویۃ الایمان منظر عام پر آئی تو سب سے پہلا اس کا تحریری جواب 1240ھ ہی میں حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کے شاگرد حضرت علامہ فضلِ حق خیر آبادی نے دیا اور 1240ھ میں تقویۃ الایمان کے پیدا کردہ مسائل کے خلاف علمائے اہلِ سنت نے جامع مسجد دہلی میں مناظرہ کیا اور ساتھ ہی ساتھ یہ تاریخی حقیقت بھی یاد رکھنی چاہیے کہ اس مناظرے میں نہ بدایوں کا کوئی شخص تھا، نہ بریلی کا۔

بدایوں و بریلی میں متعدد جلیل القدر علما تھے، ان کی بہت ساری خدمات ہیں لیکن اس تعلق سے جامع مسجد میں جو کچھ ہوا اس میں صرف علمائے دہلی شریک تھے اور انھوں نے ان نئے خیالات کا ردّ و ابطال کیا۔ دوسرا تاریخی مناظرہ براہینِ قاطعہ مؤلفہ مولانا خلیل احمد انبیٹھوی و مصدقہ مولانا رشید احمد گنگوہی کی ایک توہین آمیز عبارت کے خلاف ہوا۔ 1306ھ/ 1888ء میں بہاول پور، پنجاب (موجودہ پاکستان) کے اندر ہونے والے اس مناظرہ میں ایک طرف سنی علمائے پنجاب تھے اور دوسری طرف دیوبندی علمائے سہارنپور۔ بدایوں اور بریلی کا کوئی عالم اس مناظرہ میں شریک نہیں تھا۔

اہلِ سنت کے درمیان مختلف ادوار میں مختلف شخصیتیں جلوہ گر ہوتی رہیں اور انھوں نے اپنے اپنے طور پر نمایاں دینی و علمی خدمات انجام دیں۔ ادھر آخری دور میں سب سے نمایاں اور ممتاز خدمات فقیہ اسلام امام احمد رضا قادری برکاتی بریلوی علیہ الرحمہ والرضوان کی ہیں۔

ہندوستان کے اندر ہماری جو شخصیات ہیں اور ہمارے جو نظریات ہیں وہ تسلسل کے ساتھ ہیں اور ان کا تسلسل ہماری شخصیات کا قدیم دینی و روحانی مراکز کے ساتھ خانوادۂ ولی اللّٰہی دہلی و خانوادۂ فرنگی محل لکھنؤ اور بدایوں، پھر بریلی، ان سب دینی و علمی مراکز کے علما و مشائخ کے ذریعہ ہماری شخصیات کا تسلسل ہے اور ہمارے نظریات کا تسلسل جو عقائد اور معمولات ہیں وہ مشہور و معروف ہیں۔ انھیں ذکر کرنے کی ضرورت نہیں۔

سوادِ اعظم سے الگ ہٹ کر 1240ھ/ 1824ء میں جو علما سامنے آئے اور جو نظریات سامنے آئے وہ بالکل نوزائیدہ ہیں۔ سوادِ اعظم سے بالکل الگ ہٹ کر ہیں۔ تو وہ ہم سے جدا ہوئے ہیں، ہم کسی سے جدا نہیں ہوئے ہیں، بلکہ اپنی اصل سے، اپنی جڑ سے، اپنے وجود سے وابستہ ہم کل بھی تھے اور آج بھی ہیں۔ اور ہندوستان سے لے کر حرمین طیبین تک ہمارا تسلسل شخصیاتی بھی اور نظریاتی بھی ہر طرح سے قائم ہے اور باقی بھی۔ ضرورت ہے کہ ہم ان نظریات کو، ان شخصیات کو تسلسل کے ساتھ جانیں بھی اور اس کا ذکر و بیان بھی کریں۔

اپنے اکابر و اسلاف کو جاننا، ان کی خدمات کا تعارف کرانا یہ ہمارا مذہبی، ملّی اور قومی فریضہ ہے، جس طرح سے کوئی سعید اور صالح اولاد، کوئی نیک بخت لڑکا اپنے باپ دادا کا ذکر کرتا ہے اور تعریف کرتا ہے اور تعریف سننے پر خوش ہوتا ہے۔ ہم کو بھی اسی طرح سے اپنے اسلاف کا اور جتنے بھی نمایاں اور ممتاز شخصیات و افراد ہیں حسب ضرورت و اہمیت و افادیت سب کا ذکر و بیان کرنا چاہیے تا کہ نئی نسل ان سب سے واقف ہو۔ ایسا نہ ہو کہ کوئی نام جب ان کے سامنے آئے تو یہ نوجوان پوچھیں کہ یہ کون بزرگ ہیں؟ جیسا کہ ''سوادِ اعظم'' کا لفظ جب پہلی مرتبہ یہاں آپ کے سامنے آیا تو آپ چونک گئے کہ ''سوادِ اعظم'' کا کیا مطلب ہے؟ کیا مفہوم ہے؟ تو یہ نہیں ہونا چاہیے، بلکہ شخصیات کو، نظریات کو بار بار ذکر کرنا چاہیے، اس کا تعارف کرانا چاہیے اور ان سے وابستہ رہ کر آگے کا جو کام ہے دینی، علمی وہ کرتے رہنا چاہیے۔

آج میں یہ سمجھتا ہوں کہ اس سوادِ اعظم کانفرنس سے بانی خانقاہ اور بانی ادارہ حضرت مولانا محمد ایوب شریف القادری صاحب علیہ الرحمہ و الرضوان کی روح یقیناً خوش ہو رہی ہوگی کہ میرے لڑکوں نے، میرے اہل خانہ نے، میرے مریدین، مخلصین، متوسلین اور محبین نے میرے چھوڑے ہوئے کام اور مشن کو آگے بڑھایا اور اسے ترقی دی۔ یہ ان کے لیے ایک بے حد روحانی مسرت کی بات ہوگی اور وہ اپنی قبر میں یقیناً خوش ہوں گے۔ اس طرح کا کام یہاں کے جو متعلقین و منتظمین ہیں ان کو آئندہ بھی کرتے رہنا چاہیے تا کہ ان کا دینی و علمی فریضہ ادا ہوتا رہے اور ان کے بزرگوں کی روحیں بھی خوش ہوتی رہیں۔

و ماعلینا الا البلاغ

فخرِ عالم ☆

اتر پردیش کے انتخاب میں مسلم ووٹروں کا تاریخ ساز کردار

فروری - مارچ 2012ء میں پانچ صوبوں میں ہوئے الیکشن اور اس کے نتائج پر غور کریں تو مسلمان ووٹر ایک بڑی طاقت بن کر سامنے آیا ہے۔ دیگر چار صوبوں میں مسلمانوں کی تعداد کم ہے اس لیے وہاں کے مسلمانوں نے صوبائی سیاست کا مزاج دیکھ کر اپنا رخ طے کیا، مگر اتر پردیش کے مسلم ووٹروں نے سیاست کا رخ ہی بدل کر رکھ دیا ہے۔ صورت یہاں تک پہنچ گئی کہ اقتدار گنوا چکی بہوجن سماج پارٹی نے اپنی ہار کے لیے مسلمانوں کو ذمہ دار ٹھہرایا۔ بڑی حیرت اور افسوس کی بات ہے کہ جب بی ایس پی بھاری اکثریت سے 2007ء میں برسرِ اقتدار آئی تھی اس وقت مایاوتی نے یہ واضح نہیں کیا تھا کہ اس کامیابی میں مسلمانوں کا کتنا حصہ تھا۔ انہوں نے کسی بھی سطح پر نہ تو مسلمانوں کا شکریہ ادا کیا اور نہ ہی مسلمانوں کے حق میں ہی کچھ کیا۔ یہاں تک جو چند جز وقتی اردو اساتذہ کی تقرری پچھلی سرکار نے کی تھی اسے بھی بیروزگاری کا شکار بنا ڈالا تھا۔ مسلمانوں کے حق میں کچھ نہیں ہوا۔ اس سے بھی افسوس کی بات یہ ہے کہ موجودہ سماج وادی جس نے بھاری اکثریت حاصل کی ہے، زبان پر مسلمانوں کے شکریے کا ایک بھی لفظ نہیں لائی ہے۔ بہوجن شور مچا مچا واضح کر رہی ہے کہ مسلمانوں نے انہیں ووٹ نہیں دیا اس لیے وہ اقتدار سے باہر ہے۔

غور طلب بات یہ ہے کہ پارٹی بری طرح ہار گئی ہے پھر بھی ان کے کامیاب رہنماؤں میں مسلم رہنماؤں کی تعداد سب سے زیادہ ہے۔ ان کے دیگر اور غیر مسلم رہنماؤں کی کامیابی میں بھی مسلم ووٹروں کا حصہ ہے۔ اگر مسلمانوں نے انہیں ووٹ نہیں دیا تو کیا صرف دلت ووٹروں کی بدولت وہ کامیاب ہوئے ہیں؟ بہوجن سماج پارٹی کی سربراہ دلت ووٹروں کے خلاف نہیں بولنا چاہتی مگر مسلمان اب کسی پارٹی یا سیاسی تنظیم کی جاگیر نہیں، کسی کی میراث نہیں کہ اسے سالہا سال تک استعمال کیا جائے۔ اتر پردیش کے انتخاب میں مسلم ووٹروں نے تاریخ ساز کردار ادا کیا ہے۔ انہوں نے متحد ہو کر ووٹ دیا۔ اگر مسلمانوں کا رویہ ایسا ہی رہا تو وہ دن دور نہیں جب سیاسی پارٹیاں مسلمانوں کے حصے کا حق ان کے گھر آ کر دیں گی۔ اتر پردیش کے متعلق سرکاری جانکاری ہے کہ یہاں کی کل عوام کی 18 فیصد تعداد مسلمانوں کی ہے مگر یہ اندازہ کہیں زیادہ ہے۔ 403 رکن اسمبلی کے لیے بہوجن سماج وادی نے 84 امیدواروں کو میدان میں اتارا تھا جس میں سے انھیں 40 جگہوں پر کامیابی ملی۔ وہیں سماج وادی پارٹی نے کل 75 مسلم امیدوار میدان میں اتارے تھے جس میں انہیں 14 جگہوں پر کامیابی ملی۔ کانگریس نے 61 امیدواروں کو ٹکٹ دیئے جس میں 4 لوگ ہی کامیاب ہوئے۔ پیس پارٹی کے 3، قومی ایکتا کے لیے 2، اتحاد ملت کونسل کے 1 رکن کامیاب ہوئے۔

کل ملا کر موجودہ اتر پردیش اسمبلی میں مسلم ارکانِ اسمبلی کی تعداد 64 ہو گئی جو تاریخ میں سب سے بڑی تعداد ہے، جب کہ 2007 میں یہ تعداد 56 تھی۔ 1993ء میں بابری سانحہ کے وقت صرف 25 مسلمان اسمبلی میں پہنچ سکے تھے۔ واضح ہو کہ اتر پردیش میں 130 اسمبلی حلقے ایسے ہیں جہاں مسلمان امیدواروں کی ہار جیت میں فیصلہ کن حیثیت رکھتے ہیں۔ موجودہ اسمبلی انتخاب میں مختلف سیاسی پارٹیوں نے مسلم ووٹروں کو منقسم کرنے کا پورا پورا منصوبہ بنا رکھا تھا۔ اس کی سب سے بڑی مثال کامیاب ہوئے رکن کے برابر تعداد ان ہارے ہوئے امیدواروں کی ہے جو دوسرے نمبر پر آئے ہیں۔ بڑی حیرت کی بات ہے کہ سہارنپور جہاں مسلمانوں کی تعداد 40 فیصد ہے وہاں کا نتیجہ اور اعظم گڑھ جہاں مسلمان صرف 20 فیصد ہے وہاں کا نتیجہ غور کرنے کے لائق ہے۔ ویسے کل ملا کر اتر پردیش کی مسلم عوام مبارک باد کی حقدار ہے اور یہ ایک نئی شروعات ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ کیا اتنی بڑی تعداد میں مسلم نمایندوں کے ایوان میں پہنچنے سے قوم کا بھلا ہوگا؟ کیونکہ ارکانِ اسمبلی تو پارٹی کے لیے کام کرتے ہیں۔ اور مسلمانوں کے لیے جو بھی قدم اٹھائے جاتے ہیں وہ پارٹی کی پالیسی کے تحت اٹھائے جاتے ہیں۔

اس ضمن میں مسلم رکن کی تعداد معنی نہیں رکھتی۔ آزادی کے 64 برسوں سے مسلمانوں نے سب کو آزمایا ہے اور سماج وادی کو بھی موقع دیا ہے مگر ہر کسی نے مسلمانوں کے ساتھ دھوکہ اور فریب کیا ہے۔ انتخابی میدان میں جتنی بھی پارٹیاں تھیں وہ سب کی سب مسلمانوں کی آزمائی ہوئی تھیں، مگر مسلمانوں کے پاس سماج وادی ہی بہوجن کی متبادل تھی اور وہی حکومت کو حاصل کرنے کے لائق تھی اس لیے مسلمانوں کا فیصلہ صد فیصد صحیح ہے۔ اکھلیش یادو میں مسلمانوں نے اپنا مستقبل دیکھا ہے اور ہمیں یقین ہے کہ وہ انھیں مایوس نہیں کریں گے۔ ❑❑

☆ fakhrealam43@gmail.com

اویس رضا قادری ☆

اسلام کو تقابلی انداز میں پیش کرنے کی ضرورت

عصرِ حاضر میں معاشرے کی بدلتی صورت لوگوں کی بدلتی ہوئی فکر کی گواہی دے رہی ہے اور یہ بدلتی ہوئی فکر انسان کو ان تمام بندشوں سے آزاد کر رہی ہے، جو بندشیں اس پر مذہب نے یا پھر معاشرے نے عائد کی تھیں۔ اب چونکہ معاشرہ تو اسی راہ پر گامزن ہے جس راہ پر لوگوں کی فکر، تو بحث معاشرے کی بدلتی ہوئی صورت سے نہیں۔ کیوں کہ معاشرہ ایک موہوم لفظ ہے جو انسانی فکر کے تغیر سے متغیر ہوتا ہے، بلکہ بحث مذہب کے مستحکم اصول اور اٹل قوانین سے ہے اور یہ بھی کہ یہ بحث صرف مذہب اسلام کے قوانین وضوابط سے ہے۔ کیوں کہ دنیا کے دوسرے تمام مذاہب افراط و تفریط کے شکار ہیں۔ یعنی بہت سارے مذاہب انسان کو راہبانہ زندگی کے لیے اُبھارتے ہیں اور بہت سارے مذاہب انسان کو آزاد چھوڑ دیتے ہیں جب کہ مذہب اسلام ہر راہ پر لوگوں کی رہنمائی کرتا نظر آتا ہے۔ انسان کی اس بدلتی ہوئی فکر نے مذہبی یا معاشرتی بندشوں کو بہت پیچھے چھوڑ دیا ہے اور انسان ایک آزاد حیوان کی طرح زندگی بسر کرنے لگا ہے۔

اسلام جو اللہ رب العزت کا سب سے پسندیدہ مذہب ہے اور جس کی حفاظت وصیانت کی ذمہ داری خود اس نے اپنے ذمہ کرم پر لے لی ہے۔ اس کے اندر انسان اور سماج کے لیے سب کچھ موجود ہے، لیکن ضرورت عصری تناظر میں اس کے پیغامات کو عام کرنے کی ہے۔ کیوں کہ آج جو فکر پیدا ہوئی ہے وہ کسی بھی بات کو بغیر علت جانے ماننے سے انکار کرتی ہے اور مذہب اسلام نے جن چیزوں کے تعلق سے ترک یا عدم ترک کا حکم دیا ہے ان تمام چیزوں میں علت پوشیدہ ہے۔ اب ضرورت اس بات کی ہے کہ اسلامی ادارے وہ تمام امور جن پر شرع نے امرونہی کا حکم لگایا ہے اس کی علت کو ہر اعتبار سے تلاش کرنے کی کوشش کریں اور پھر لوگوں کے سامنے اسلام کو تقابلی انداز میں پیش کریں تاکہ لوگوں پر حق روشن ہو جائے کہ انسان نے اپنے لیے جو طریقہ اختیار کیا ہے وہ اس کے حق میں کتنا بہتر ہے؟ اور جو طریقہ مذہب اسلام اسے دیتا ہے وہ اس کے حق میں کتنا بہتر ہے؟ موجودہ دور بھی اسی بات کا متقاضی ہے کہ مذہب اسلام کو تقابلی انداز میں پیش کیا جائے۔ کیوں کہ اگر آپ موجودہ دور کی فکر کا جائزہ لیں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ آج ہر شخص ہر چیز کی پوشیدہ علت تلاش کرنے کی کوشش کر رہا ہے اور وہ یہ جاننے کا خواہاں ہے کہ جو چیز ہو رہی ہے وہ کیوں ہو رہی ہے؟ یہی وجہ ہے کہ آج چند حضرات جو مذہب اسلام کے کچھ قوانین پر اعتراض کرتے ہیں وہ ان قوانین میں پوشیدہ ان کی علت سے غافل ہیں۔ مثال کے طور پر عورت کا حجاب، مرد کی چار شادیاں، عورت کو طلاق دینے کا اختیار نہ ہونا۔ ان موضوعات پر اعتراض دو وجہوں سے کیا جا رہا ہے۔ (1) عصبیت (2) حکمت سے ناواقفیت۔ پہلے مرض کا تو علاج ہی نہیں ہے جب کہ معتدل طبقہ اور فکرِ سلیم کے حامل افراد کے ذہن وفکر میں بسے ہوئے شبہات کا ازالہ ان احکام میں مضمر حکمتوں کے سنجیدہ اسلوب میں اظہار و اثبات کے ذریعہ دور کیا جا سکتا ہے۔

یہ تو چند بہت بڑے اور مشہور اعتراضات تھے جن کے جواب ہمارے علمائے کرام اپنی تقریروں اور تحریروں سے دے چکے ہیں، لیکن موجودہ دور میں ایک قوم کا دوسری قوم میں مداخلت کرنے کے سبب ہر چیز نظری ہوگئی ہے۔ یعنی ایک زمانہ قبل مسلم معاشرہ ایسا تھا کہ شراب پینا یقینی اور بدیہی برا سمجھا جاتا تھا، لیکن موجودہ زمانے میں جب کہ دوسری قوم کے لوگ اس کو بڑے مزے لے کر پیتے ہیں، تو اب شراب کو برا سمجھنا یقینی اور بدیہی نہیں رہا۔ بلکہ دوسری اقوام کو دیکھا دیکھی یہ مرض مسلم معاشرہ میں بھی بڑی تیزی کے ساتھ سرایت کر رہا ہے۔ اسی طرح سے جب ایک تہذیب دوسری تہذیب سے ملتی ہے تو دونوں تہذیبوں کی آمیزش سے ایک نئی تہذیب پیدا ہوتی ہے اور وہ دونوں تہذیبیں یقینی اور بدیہی نہیں رہتیں بلکہ نظری ہو جاتی ہیں اور پھر بحث ومباحثہ کا دروازہ کھل جاتا ہے۔ موجودہ زمانے میں کئی کئی تہذیبیں ایک ساتھ رہ رہی ہیں اور ہر چیز پر بحث ومباحثہ کا بازار گرم ہے، اس لیے ضروری ہے کہ مذہب اسلام کے بتائے ہوئے طریقوں سے لوگوں کو آگاہ کیا جائے اور انھیں یہ بتایا جائے کہ اسلام دوسرے مذاہب کی طرح نہیں بلکہ وہ دیگر تمام مذاہب سے ممتاز ہے کیونکہ دیگر مذاہب جو بات کہتے ہیں اس میں ضروری نہیں کہ علت پوشیدہ ہو مگر مذہب اسلام جو بات کہتا ہے اس میں علت پوشیدہ ہوتی ہے اور وہ علت انسانی فلاح پر موقوف ہوتی ہے۔ □□

☆ جامعہ ملیہ اسلامیہ، دہلی

اسرائیل - ایران تنازع: مضمرات و حقائق

ایران آج کل مغربی ممالک کی آنکھوں کا شہتیر بنا ہوا ہے۔ اس لیے مغربی ممالک کوئی بھی موقع ایران کو بدنام کرنے کے لیے نہیں چھوڑتے۔ ہندوستان جو کہ ایران کا ہمسایہ ملک ہے اسے اپنے مقصد کے لیے استعمال کرنے کی ساری تگ و دو صرف کررہا ہے۔ ہندوستان ہمیشہ ایران سے بہتر تعلقات کے لیے کوشاں رہا ہے، لیکن پچھلے کچھ ماہ سے اسرائیل و امریکہ لابی کے دباؤ میں حکومت ہند نے کچھ ایسے اقدامات کیے جس سے صحافتی میدان سے وابستہ لوگوں کے ساتھ مسلم دانشوران بھی حیرت زدہ ہیں۔ پچھلے ایک ماہ قبل مشہور صحافی محمد احمد کاظمی کی گرفتاری بھی حکومت کی جانب سے عمل میں آئی جس پر کافی احتجاج کے باوجود اب تک رہائی سامنے نہیں آسکی ہے۔ پیش ہے ذیل میں ایران و اسرائیل تنازع کے مضمرات اور صحافی محمد احمد کاظمی کی گرفتاری کے حقائق۔ (ادارہ)

خصوصی موضوع

کیا اسرائیل کا یہ قول قابلِ اعتبار ہے؟

نوراللہ خان☆

خدا کا شکر ہے کہ امریکہ، اسرائیل اور یوروپی ممالک کو اب اس بات کا ادراک ہونے لگا ہے کہ ایران کی ایٹمی تنصیبات پر کسی بھی اسرائیلی حملہ کی کوشش نہ صرف پورے خلیجی خطے کو جنگ کے شعلوں میں جھونک دے گی بلکہ اگر ایران نے تیل کی اہم شاہراہ آبنائے ہرمیزائیل کو بند کرنے کی اپنی دھمکی کو عملی شکل دے دی تو تیل کی قیمتیں پوری دنیا میں آسمان کو چھونے لگیں گی، جس کے بیحد خراب اثرات سے امریکہ اور یوروپی ممالک بھی، جو پہلے ہی سے اقتصادی مندی کی مار جھیل رہے ہیں، محفوظ نہیں رہ پائیں گے اور خلیجی پانیوں میں موجود امریکہ کے طیارہ بردار اور جہاز بھی ایران کے میزائل حملوں سے نہیں بچ سکیں گے اور انھیں کافی وسیع پیمانے پر جانی و مالی نقصان اٹھانا پڑے گا۔

امریکی افسران کے مطابق، ایران کی ایٹمی تنصیبات پر اسرائیلی حملے کی صورت میں امریکہ کو جو نتائج بھگتنے پڑیں گے، اس کے بارے میں ایک 'وار گیم' اندازے سے پتہ چلا ہے کہ اس طرح کے اسرائیلی حملے سے نہ صرف اس خطے میں وسیع علاقائی جنگ کے امکانات پیدا ہوجائیں گے، بلکہ اس نوعیت کا تصادم امریکہ کو بھی اس جنگ میں گھسیٹ سکتا ہے، جس میں سیکڑوں امریکیوں کی ہلاکت کا بھی اندیشہ قوی ہے۔ امریکی افسران کا کہنا ہے کہ اس 'کلاسیفائیڈ وار گیم' کا مقصد نہ تو امریکہ کی جانب سے جنگی کارروائی کی ریہرسل تھا اور نہ ہی اس کے تحت اخذ کردہ نتائج کے ذریعہ کسی بڑے عالمی ٹکراؤ کا موازانہ ہی مقصود تھا۔ تاہم ایک بات ضرور ہے کہ اس 'وار گیم' نے امریکہ کے اعلیٰ منصوبہ سازوں کے ذہن میں اس بات کے خدشات پیدا کردیے ہیں کہ اگر ایران کے ساتھ ٹکراؤ کی نوبت آئی تو ایسی صورت میں امریکہ کو اس میں ملوث ہونے سے بچانا تقریباً ناممکن ہی ہوگا۔ صرف اتنا ہی نہیں منصوبہ سازوں کے مطابق اس کے بعد وہائٹ ہاؤس، پنٹاگن اور ان خفیہ ایجنسیوں و اداروں کی اس تنبیہ کو بھی تقویت ملے گی، جس کے تحت وہ پہلے ہی متنبہ کرچکے ہیں کہ ایران پر حملے کی کوئی بھی کوشش امریکہ کے لیے بے حد پُر خطر اور نقصان دہ ثابت ہوسکتی ہے۔ 'وار گیم' کے یہ نتائج خصوصی طور پر مشرقِ وسطیٰ، خلیج فارس اور جنوب مغربی ایشیا میں امریکی افواج کے کمانڈر و جنرل جیمز میٹس کے لیے کافی حد تک پریشانی کا باعث بن رہے ہیں۔

غور طلب ہے کہ 'انٹرنل لک' (Intenal Look) کہے جانے والے اور دو ہفتے طویل اس 'وار گیم' کے دوران یہ بھی نتیجہ اخذ کیا گیا ہے کہ خلیج فارس میں امریکی بحریہ کے ایک جنگی جہاز پر ایرانی میزائل حملے میں دو سو امریکی فوجیوں کی ہلاکت کے بعد نہ صرف امریکہ کو اس جنگ میں شامل ہونا پڑسکتا ہے، بلکہ جوابی کارروائی کے تحت بہ حالت مجبوری امریکہ کو ایران کی ایٹمی تنصیبات پر بھی حملہ کرنا پڑسکتا ہے۔ اس امریکی مشق کی تشکیل اگرچہ خصوصی طور پر کسی بھی ممکنہ اسرائیلی حملے کے بعد پنٹاگن اور تمپا فلا، جہاں سینٹرل کمانڈ کا ہیڈ کوارٹر واقع ہے اور خلیج فارس میں تعینات امریکی جنگی عملے کے درمیان اندرونی سطح پر فوجی

☆ای میل: noor_11245@hotmail.com

تال میل و رابطے کے ٹیسٹ کے طور پر کی گئی تھی، تاہم اس کا ایک بڑا مقصد حقیقی عالمی صورتحال کا جائزہ لینا بھی تھا۔

ایران کی ایٹمی تنصیبات پر اسرائیلی حملے کی موجودہ نیم دروں نیم بروں صورتحال کے دوران یروشلم سے اسرائیلی حکومت اور وزارت دفاع کے سینئر واعلیٰ حکام کے حوالے سے ایک خوش آئند خبر یہ بھی آئی ہے کہ اسرائیلی افسران نے امریکہ کے اس جائزے کو تسلیم کرلیا ہے کہ ایران نے تاحال جوہری بم بنانے کا فیصلہ نہیں کیا ہے۔ اس صورت حال کے باوجود اسرائیل میں اس بات کو لے کر اب بھی کافی تشویش پائی جاتی ہے کہ ایران جوہری بم کو آخری شکل دینے کے سلسلے میں کامیابی کے بے حد قریب پہنچ چکا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسرائیل ایران کی ایٹمی تنصیبات پر، اس سے قبل کہ وہ انھیں اسرائیلی بموں سے محفوظ کرنے کی غرض سے زیر زمین بنکرز میں نصب کرلے، اب بھی وقتاً فوقتاً حملہ کا اشارہ دیتا رہتا ہے۔ اسرائیلی رہنما بھی اسی لیے برسہا برس سے ایران پر الزام عائد کرتے آرہے ہیں کہ وہ نیوکلیائی اسلحہ کی تعمیر کے کافی قریب پہنچ چکا ہے اور اسی لیے وہ اس بارے میں امریکہ کی ہوشمندانہ رائے کو بھی مسترد کرتے آرہے ہیں۔ ان کا خیال ہے اگر ایران تاحال نیوکلیائی اسلحہ نہیں بنا پایا ہے اور وہ اگر اپنی کوششوں میں کامیابی کے قریب ہے تو بھی وہ اسرائیل کے لیے ایک بڑے خطرے کی حیثیت رکھتا ہے۔ جبکہ امریکہ ایک عوامی مہم کے تحت برابر اس کوشش میں لگا ہوا ہے کہ اسرائیل اس کی اس بات کو مان لے کہ ایران نے جوہری اسلحہ تیار کرنے کے بارے میں تاحال کوئی فیصلہ نہیں کیا ہے اور اسرائیل کسی طرح بھی ایران پر حملے کا اپنا منصوبہ ترک کردے اور وہ ایران کے خلاف عائد کردہ سخت اقتصادی پابندیوں کو اس بات کا موقع دے کہ یہ پابندیاں ایران کو نیوکلیائی اسلحہ تیار کرنے کی اس کی کوششوں سے باز رکھ سکیں۔

دریں اثنا کشیدگی کے اس ماحول کے دوران ہی اسرائیلی صدر نے ایرانی نئے سال یعنی نوروز کے موقع پر ارسال کردہ تہنیتی پیغام میں ایرانی عوام کے لیے 'امن خیر سگالی اور بقائے باہم' کے جذبات اور نیک خواہشات کا اظہار کیا ہے۔ شمعون پیریز نے ایرانی رہنماؤں سے یہ بھی درخواست کی ہے کہ وہ کسی بھی شخص کو اس طرح نہ دھمکائیں کہ اس کے بچوں کو گھر بار چھوڑ کر ہی بھاگنا پڑ جائے۔''

اُدھر، ایران کے اعلیٰ ترین رہنماؤں نے امریکی صدر براک اوباما کے ایرانی عوام کے لیے مفاہمت اور خیر سگالی کے ارسال کردہ ایک پیغام کے کچھ ہی دیر بعد، متنبہ کیا ہے کہ اگر اسرائیل یا امریکہ نے ایران پر حملہ کیا تو اس کا جواب انھیں ان کے حملے کی سطح پر ہی دیا جائے گا۔ ایران کے سپریم لیڈر آیت اللہ خامنہ ای نے ایرانی نئے سال یعنی نوروز کے موقع پر ایرانی ٹی وی سے خطاب کرتے ہوئے کہا ہے 'ہمارے پاس نہ تو ایٹمی ہتھیار ہیں اور نہ ہی ہم انھیں بنائیں گے، تاہم دشمن کے حملے کی صورت میں امریکی یا صہیونی آمروں سے اپنے دفاع کے لیے ہم ان کے حملے کا انہی کی سطح پر جواب دیں گے۔ اگرچہ ایرانی سپریم رہنما کا لہجہ اپنی تقریر کے دوران کافی سخت رہا ہے، تاہم کہیں کہیں انھوں نے امریکہ کے تئیں نرم رُخ اختیار کرنے کی بھی کوشش کی ہے۔ انھوں نے امریکہ سے ایران کے تئیں احترام پر مبنی رویہ اپنائے جانے کی اپیل کرتے ہوئے کہا ہے کہ ''اس طرح کی کوئی بھی کوشش اس کے لیے کافی سودمند ثابت ہوسکتی ہے۔'' اگرچہ اسرائیلی افسران نے کہا ہے کہ ایران کی ایٹمی تنصیبات پر حملے کے بارے میں تاحال کوئی فیصلہ نہیں کیا جاسکا ہے، تاہم تجزیہ نگار اس تباہ کن جنگ سے ہونے والے ممکنہ نقصانات کے بارے میں اب بھی کافی مایوس وفکر مند دکھائی دے رہے ہیں۔

ایک تازہ ترین اطلاع یہ بھی ہے کہ اوبامہ انتظامیہ ہندوستان کو ایران کے خلاف عائد کردہ اقتصادی پابندیوں سے ان گیارہ اتحادی ملکوں کی طرح چھوٹ دینے کے اپنے وعدے سے منحرف ہوگیا ہے، جو ایران کے لیے اپنی تیل درآمدات میں تخفیف لانے میں کامیاب رہے ہیں۔ امریکہ کے ان قریبی اتحادی ممالک کی فہرست میں بلجیم، چیک جمہوریہ، فرانس، جرمنی، یونان، اٹلی، ہالینڈ، پولینڈ اور اسپین کے علاوہ جاپان اور برطانیہ بھی شامل ہیں۔ ایران سے تیل درآمدات کے سلسلے میں ہندوستان کے علاوہ چین کو بھی، چھوٹ دیے جانے والے ممالک کی فہرست سے باہر رکھا گیا ہے۔ خیال رہے کہ یہ دونوں ملک ایرانی تیل کے 23 درآمدکنندگان ممالک کی فہرست میں تیل کے سب سے زیادہ درآمدکار ہیں۔ انتہا یہ ہے کہ ایرانی تیل کی درآمدات کے سلسلے میں اقتصادی پابندیوں میں چھوٹ سے امریکہ نے اپنے قریبی اتحادی ملک جنوبی کوریا کو بھی محروم کردیا ہے۔ خیال رہے کہ امریکی قانون، نیشنل ڈیفنس اتھورائزیشن ایکٹ 2012 کی ایک دفعہ کے اطلاق کے ذریعہ امریکہ ایران کی تیل برآمدات کی مارکیٹ کو نہ صرف محدود کرنے کی کوشش کر رہا ہے، بلکہ اس کے سینٹرل بینک کو بھی عالمی مالی نظام سے الگ تھلگ کرنے کے لیے کوشاں ہے۔ اگرچہ ایرانی درآمدات میں چھوٹ کے سلسلے میں اس امریکی قانون میں کسی خاص مقدار کا ذکر نہیں کیا گیا ہے، تاہم غیر رسمی طور پر اس ملک کے حالات کے مطابق درآمدات میں 15 فیصد کٹوتی کا اشارہ ضرور دیا گیا ہے۔ ہندوستان کی کوشش ہے کہ 28 / جون سے اس قانون کے اطلاق سے قبل اسے درآمدات میں 10 تا 12 فیصد کٹوتی کی اجازت دے دی جائے۔ ◻◻

(بشکریہ روزنامہ راشٹریہ سہارا، نئی دہلی، 23 مارچ 2012)

علی خان ☆

طاغوتی طاقتیں امتِ مسلمہ کو تباہ کرنے پر آمادہ

ان طاقتوں کا اصل مقصد صرف ایران پر حملہ کرنا اور تیل پر قابو پانا نہیں ہے بلکہ وہ مسلمانوں کو لڑانا بھی چاہتے ہیں

ہر سال واشنگٹن ڈی سی میں ایک جلسہ ہوتا ہے جس میں ہر کس و نا کس شرکت کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ امریکن اسرائیلی پبس افیئرس کمیٹی (اے آئی پی اے سی) ایک ایسی مستحکم اور با اقتدار تنظیم ہے کہ ہر امریکی صدر وہاں جا کر تقریر کرتا ہے اور تنظیم کے ممبران کو یقین دلاتا ہے کہ وہ نہ صرف اسرائیل کا ہمدرد ہے بلکہ ہر حال میں اسرائیل ہی کی حمایت کرے گا۔ اے آئی پی اے سی کا صرف ایک ہی ہدف ہے اور وہ ہے جیونزم کو فروغ دینا اور اسرائیل کی ہر طرح سے مدد کرنا۔ امریکی ریپبلکن پارٹی کے اے آئی پی اے سی سے بہت گہرے روابط ہیں اور گزشتہ سال انھوں نے بنجامن نتن یاہو کو دعوت دی تھی کہ وہ امریکن کانگریس اور سینیٹ سے خطاب کریں۔ تقریر ختم ہونے پر سبھی سینئر اور کانگریسی دفعتاً کھڑے ہو گئے اور انھوں نے تالی بجائی۔ اس پر تھومس فریڈ مین نے نیو یارک ٹائمس میں لکھا کہ یقیناً نتن یاہو یہ جانتے ہوں گے کہ ان کے لیے تالیاں نہیں بجی تھیں بلکہ سب نے اس لیے تالی بجائی، کیونکہ اے آئی پی اے سی نے باقاعدہ ان کو خرید لیا تھا۔

اس سال امریکہ میں انتخابات ہونے والے ہیں اور اسرائیل کی لابی جانتی ہے کہ جو بھی منتخب ہونے کے خواب دیکھ رہا ہے اس کو پہلے اے آئی پی اے سی کے چوکھٹ پر آ کر سلام کے لیے حاضر ہونا پڑے گا اور اسرائیلیوں کا آشیرواد لینا پڑے گا۔ حال ہی میں اباما نے بھی اپنا عقیدت مندانہ اور مخلصانہ نذرانہ پیش کیا۔ انھوں نے اپنی تقریر میں کہا کہ ان کو کوئی کمزور نہ سمجھے اور اگر ضرورت ہوئی تو وہ ایران پر حملہ کر سکتے ہیں۔ آج کل امریکہ کے ہر اخبار میں جنگ کا ذکر ہو رہا ہے اور ہر ٹی وی شو پر اس بات پر گفتگو ہو رہی ہے کہ ایران پر پہلے اسرائیل حملہ کرے گا یا امریکہ۔ حتیٰ کہ ہندوستان میں بھی کئی ایسی سیاسی، اجتماعی اور اقتصادی تنظیمیں ہیں جو اسرائیل کی حمایت کر رہی ہیں۔ یہ لوگ اس بات کو شاید بھول رہے ہیں کہ ہندوستان کو آزادی دلانے والے لوگوں نے جیونزم اور اسرائیل کی سخت مخالفت کی تھی۔ ان لوگوں میں گاندھی جی اور پنڈت نہرو پیش پیش تھے۔

اخباروں میں اس بات کا ذکر ہو رہا ہے کہ ایران نیوکلیئر بم بنانا چاہتا ہے اور یہ دنیا کے لیے بہت خطرناک ثابت ہوگا۔ اولاً تو اس بات سے کوئی انکار نہیں کر سکتا ہے کہ پچھلے دو سو برس میں ایران نے کسی پر حملہ نہیں کیا ہے، یہ اسرائیل اور امریکہ کے بارے میں نہیں کہا جا سکتا ہے، بلکہ ان کی باتوں سے بعض عرب ممالک بھی متفق ہیں اور وہ چاہتے ہیں کہ ایران کو کسی نہ کسی طرح سے کمزور کیا جائے۔ امریکہ، اسرائیل اور دیگر ملکوں نے اس سیاسی مخالفت کو مذہبی رنگ دینے کی کوشش کی ہے اور یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ یہ ایک سنّی شیعہ جھگڑا بھی ہے، لیکن ایسا کچھ نہیں ہے اور اگر تحقیق کی جائے تو بہت جلد یہ واضح ہو جائے گا کہ یہ سب تیل کے لیے کیا جا رہا ہے۔

بحر قزوین میں تیل کا ایک عظیم سرمایہ موجود ہے اور بحر قزوین کے ساحل پانچ ممالک سے متصل ہیں: آذربائیجان، ایران، قزاحستان، ترکمانستان اور روس۔ سولہویں صدی میں دو انگریزوں نے یہ لکھا تھا کہ ''یہ ایک عجیب و غریب جگہ ہے جہاں ہر جگہ زمین سے تیل نکلتا ہے۔'' تب سے آج تک ہر ملک نے کوشش کی ہے کہ وہ اس تیل کو ہتھیا لے۔ بیسویں صدی کے اوائل میں روسیوں نے بہت کوشش کی اور پھر ہٹلر نے بھی منصوبے بنائے تھے کہ وہ بحر قزوین کو مکمل کر لیں۔ یاد رہے کہ 1953ء میں امریکہ ہی کی وجہ سے ڈاکٹر مصدق کی حکومت کو گروایا گیا، کیونکہ انھوں نے ایران کے تیل کو ایک ریاستی سرمایہ قرار دیا اور پرائیویٹ کمپنیوں کی مداخلت منقطع کر دی۔

بہر حال اس تیل سے استفادہ کرنے کے لیے ایک پائپ لائن بنانے کی ضرورت ہوگی۔ روس امریکہ کا پرانا حریف ہے۔ قزاحستان اور ترکمانستان میں کسی بندرگاہ کے قیام کا سوال ہی نہیں اٹھتا ہے۔ اگر افغانستان اور پاکستان میں پائپ لائن بچھائی جائے تو اس کی حفاظت کرنا مشکل ہوگی۔ آذربائیجان سے ہوتی ہوئی ترکی تک پائپ لائن بچھانے میں نامناسب اخراجات ہوں گے، پھر بس ایک ہی راستہ رہ جاتا ہے اور وہ یہ ہے کہ ایران میں ایک پائل لائن بچھائی جائے جو آخر میں خلیج فارس میں آ کر نکلے، لیکن

☆ محمود آباد، ای-میل:bilehra@gmail.com

اس کے لیے تہران میں ایک ایسی حکومت کی ضرورت ہے جو مغربی ممالک اور کمپنیوں کے اشاروں پر چلے، لیکن اب تک یہ ناممکن ثابت ہوا ہے۔

اتفاق سے آج سے سو سال قبل 1912ء میں روس نے ایران پر حملہ کیا تھا اور مشہد میں امام رضا علیہ السلام کے روضہ پر بم باری کی تھی اور حرم اقدس کو لوٹا بھی تھا۔ اس زمانے میں استعماری طاقتیں اسی فراق میں تھیں کہ وہ دیگر ملکوں پر قابو کر کے ان کا ناجائز فائدہ اٹھائیں۔ آج بھی یہی ہو رہا ہے اور نو آبادیات ایک عروج پر ہے۔ صرف اتنا فرق ہے کہ اس زمانے میں روس نے حملہ کیا تھا اور آج روس کا پرانا دشمن امریکہ حملہ کرنے کی دھمکی دے رہا ہے۔ اپنا اصل ہدف اور مقصد چھپانے کے لیے مذہب و دھرم کی باتیں کی جاتی ہیں لیکن ان باتوں میں ہم کو اُلجھنا نہیں چاہیے۔

1913ء میں روس کے حملے کے بعد انگلینڈ کی ہندوستانی خفیہ پولیس نے ایک رپورٹ لندن بھیجی۔ یہ رپورٹ آج بھی نئی دہلی کی آرکائیوز میں موجود ہے، اس میں لکھا ہے کہ روس کے حملے کے بعد لکھنؤ میں ایک زبردست جلسہ منعقد کیا گیا۔ اس احتجاج میں مولانا عبدالماجد دریا آبادی، مولانا ناصر حسین اور کئی دیگر شیعہ اور سنّی علماء وزعماء نے شرکت فرمائی۔ افسر نے اپنی رپورٹ میں حیرت کا اظہار کیا اور کہا کہ ''تعجب کی بات ہے کہ اہل سنت و جماعت کے بزرگ ترین علماء نے ایسے جلسے میں شرکت کی۔''

اسرائیلی اور امریکی حکومتیں اور اے آئی پی اے سی جیسی تنظیموں کا اصل مقصد صرف ایران پر حملہ کرنا اور تیل پر قابو پانا نہیں ہے بلکہ وہ چاہتے ہیں کہ اس حملے کے بہانے ایک عالمی جنگ شروع ہو جائے۔ ان کو یقین ہے کہ ان کی سازشوں کے تحت مسلمان آپس میں لڑیں گے۔ اصل بات یہ ہے کہ مغربی ممالک کا گزارہ جنگ کے بغیر نہ ہی کبھی ممکن تھا اور نہ ہی آج ہے۔ ظاہر ہے کہ جنگ کرنے کا کوئی نہ کوئی مقصد ہوتا ہے، لیکن اب کچھ ایسی صورت حال پیدا ہوئی ہے کہ جنگ خود ایک تجارت کا ذریعہ ہو گئی ہے۔

آج طاغوتی طاقتیں امت مسلمہ کو تباہ کرنے پر آمادہ ہیں اور ان کی پہلی کوشش یہ ہے کہ وہ مسلمانوں میں تفرقہ پیدا کریں۔ افسوس کی بات ہے کہ بعض ایسے بھی لوگ ہیں جو اپنے کو مسلمان کہنے کے باوجود ایسی فرقہ پرست اور فتنہ پرور باتوں کو ترجیح دیتے ہیں اور یہی لوگ انھیں طاقتوں کے اشاروں پر چلتے ہیں۔ یہی موقع پرست اور خود غرض لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ اتحاد بین المسلمین ممکن نہیں ہے، لیکن 1913ء کا احتجاج کچھ اور بتاتا ہے۔ □□

(بشکریہ روزنامہ انقلاب، 10 مارچ 2012ء)

بقیہ:—— بے گناہوں پر غلط الزام کیوں؟

گناہ مسلمان نہیں بلکہ ان بم دھماکوں کے پیچھے ہندوتو وادی دہشت گردوں کا ہاتھ ہے۔ تب مہاراشٹر کے ڈائریکٹر جنرل آف پولیس اے ٹی ایس چیف اور تمام پولیس عہدیداروں نے یہی کہا تھا کہ ہم جن لوگوں کو گرفتار کر رہے ہیں، ہمارے پاس ان کے خلاف ٹھوس ثبوت ہیں، لیکن پانچ برس بعد سوامی اسیمانند نے اقبالیہ بیان میں انکشاف کیا کہ مالیگاؤں 2006 بم دھماکے بھی سنیل جوشی، سادھوی پرگیہ سنگھ ٹھاکر، اسیمانند وغیرہ کے گینگ نے ہی کیے تھے۔ پوچھئے کہ ٹھوس ثبوت کہاں گئے؟

آج دہلی اسپیشل پولیس بھی وہی حرکت کر رہی ہے، جو مہاراشٹر اے ٹی ایس نے 2006 میں مالیگاؤں بم دھماکہ میں کی تھی۔ آج پورا ملک کہہ رہا ہے کہ سیّد محمد کاظمی بے گناہ ہیں، کھلے ذہن سے غیر جانبدارانہ تحقیقات کرو۔ ہوسکتا ہے کہ 13 / فروری کو نئی دہلی میں اسرائیلی سفارت کار کی کار پر بم حملہ کسی صہیونی (Zionist) یا ہندو صہیونی (Indy Zionist) ایجنٹ کا کام بھی ہوسکتا ہے۔ اس معاملے کی صاف شفّاف انکوائری کے لیے یہ معاملہ این آئی اے کے حوالے کرو، لیکن ہر بات نظرانداز کی جارہی ہے اور بے گناہ افراد کے خلاف شکنجہ کستا چلا جارہا ہے۔ ایک بار اسپیشل سیل نے اپنی حرکت مکمل کر لی تو پھر اس کے بعد اس کیس کو این آئی اے کے حوالے کرنے سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ اس صورت میں کیا اس تحقیقات کی عدالتی جانچ ہوگی؟ لگتا تو نہیں، کیونکہ دہلی پولیس کے اسپیشل سیل کی سرپرستی وہ ہندوی صہیونی لابی (Indy Zionist) کر رہی ہے، جس کے آقا اسرائیل اور امریکہ میں ریموٹ کنٹرول لیے بیٹھے ہیں۔ □□

(بشکریہ روزنامہ راشٹریہ سہارا، نئی دہلی، 17 مارچ 2012)

قارئین سے خصوصی اپیل

ملک و ملت کی گراں قدر خدمات میں مصروف اہلِ سنت و جماعت کے دینی ادارے اور تنظیمیں اپنی سرگرمیوں سے دُنیا کو آگاہ کرنے کے لیے 'ماہِ نور' کے اس کالم 'منظر نامہ' کا استعمال کریں۔ آپ کی تمام خبریں رسالے کی زینت بنیں گی ساتھ ہی اپنے اپنے حلقۂ اثر میں زیادہ لوگوں تک 'ماہِ نور' کو پہنچانے میں ہمارا تعاون کریں۔ **(ادارہ)**

اداریہ روزنامہ راشٹریہ سہارا ☆

ایران کا تیل اور امریکہ کا دباؤ

ہندوستان نے ایک بار غلطی کی تھی اور امریکہ اس غلطی پر ہم سے بہت خوش تھا۔ ہم نے نیوکلیائی معاہدہ کی لالچ میں امریکہ کا دباؤ قبول کرلیا تھا اور انٹرنیشنل اٹیمک انرجی کمیشن میں ایران کے خلاف ووٹ دے دیا تھا اور یہ کہہ کر ووٹ دیا تھا کہ ایران کے نیوکلیائی عزائم سخت تشویشناک ہیں۔ گو ہمیں یہ اچھی طرح معلوم تھا کہ اگر ایران کے نیوکلیائی عزائم خدانخواستہ ’تشویش ناک‘ بھی ہیں تو ہندوستان کے لیے قطعی تشویش ناک نہیں ہیں، کیونکہ ایران سے ہندوستان کے تعلقات کی صدیوں کی تاریخ میں دوستی کی مثالیں لاتعداد ہیں، دشمنی کی شاید واحد مثال یہ دی جاسکتی ہے کہ ایران کے ایک حکمراں نادرشاہ درانی نے ہندوستان پر حملہ کیا تھا، لیکن ہندوستان پر حملہ کرنے والا نادرشاہ درانی اکیلا نہیں تھا۔ حملہ آوروں کا سلسلہ تو آریہ اور یونانی بہت پہلے شروع کرچکے تھے۔ بہرحال چونکہ ہم نے امریکہ کا دباؤ قبول کرلیا تھا، اس لیے امریکہ ہم سے بہت خوش تھا۔ لیکن اس کے بعد ہمیں اپنی غلطی کا احساس ہوا اور اس بات کی اہمیت کو سمجھا گیا کہ یہ کوئی دانشمندانہ پالیسی نہیں ہے کہ سات سمندر پار تو بے شمار جگری دوست موجود ہوں، لیکن پاس پڑوس کے سارے ممالک ہمیں کینہ ور نظروں سے دیکھ رہے ہوں۔ چنانچہ پالیسی پر نظرثانی کا فیصلہ ہوا۔ تیل کی قیمت پر کافی عرصہ سے کشاکش چل رہی تھی۔ معاملہ یوں طے کیا گیا کہ ایرانی تیل کی نصف سے کچھ کم قیمت نادرشاہ دُرّانی کو زرمبادلہ میں اور نصف سے کچھ زیادہ سونے کی شکل میں ادا کی جائے۔ امریکہ کو سخت ناگوار گزرا۔ امریکہ کو کچھ باتیں اس لیے بھی ناگوار گزرتی ہیں کہ وہ اسرائیل کو اچھی نہیں لگتیں۔ بہرحال یہ کوئی حیرت انگیز بات نہیں ہے کہ اب امریکہ ہم سے خوش نہیں ہے، بلکہ بے تکلفی سے کام لیا جائے تو سخت برہم و ناخوش ہے۔ حیرت صرف اس بات کی ہے اس نے اپنی ناخوشی کا اظہار بہت بھونڈے پن سے کیا ہے اور اس حقیقت کو فراموش کرتے ہوئے کیا ہے کہ وہ دن گئے جب خلیل خان فاختہ اڑایا کرتے تھے۔ خبروں کے مطابق امریکی ایڈمنسٹریشن نے دھمکی دی ہے کہ اگر ہندوستان نے ایران سے معاشی رشتے گہرے کرنے کی روش ترک نہ کی تو ہندوستان کے خلاف سخت سفارشیں (پابندیاں) عائد کردی جائیں گی۔ امریکی ایڈمنسٹریشن کا کہنا ہے کہ ہندوستان ایران سے تیل لینا اگر بند نہیں کرسکتا تو اسے درآمدی مقدار تو بہرحال کم کردینا چاہیے۔ اگر ایسا نہیں کیا گیا تو صدر براک کو سفارشات عائد کرنے پر مجبور ہونا پڑے گا۔ یہی نہیں امریکی ذرائع کے مطابق یہ پابندیاں 28/جون تک نافذ بھی کی جاسکتی ہیں۔ گویا ہم پر دس ہفتوں کی مہلت کی عنایت بھی کی گئی ہے۔ امریکہ نے یہ جتانے کی کوشش کی ہے کہ ہمیں اپنے معاشی رشتے اپنی ضرورت اور اپنے مفاد کے پیش نظر نہیں، امریکہ کی ضرورت اور اس کے مفادات کے پیش نظر قائم کرنے چاہئیں۔ ہندوستانی حکومت اس دھمکی کا کیا جواب دے گی، یہ ابھی دیکھنا ہے، لیکن جہاں تک ہندوستانی عوام کا تعلق ہے، میڈیا اور سیاست کے ایک حلقے کو چھوڑ کر باقی کروڑوں عوام اس دھمکی کو اسی پائے حقارت سے ٹھکرا دیں گے، جس کی یہ دھمکی مستحق ہے۔ امریکی ایڈمنسٹریشن کے جن ذرائع نے سفارشات عائد کئے جانے کی خبر دی ہے، ان ذرائع نے یہ بھی بتایا ہے کہ امریکن جیوش کمیٹی کے ممبر یہ خبر سن کر غصہ میں اپنے بال نوچنے لگے کہ ہندوستان کی وزارت تجارت نے تجار کا ایک بہت بڑا وفد تہران بھیجا ہے۔ جس نے ایران کے تجار سے ملاقات کرکے تجارت کے میدان میں باہمی رفاقت اور لین دین پر طویل اور بامقصد بات چیت کی ہے۔ کمیٹی کے ممبر نے برملا کہا ہے اور امریکی میڈیا میں جس کی رپورٹنگ بھی ہوئی ہے، کہ ہندوستان نے یہ جانتے ہوئے یہ ’گستاخی‘ کی ہے کہ اسرائیل آج ہندوستان کو ہتھیار سپلائی کرنے والا اور ’دہشت گردی کے توڑ‘ کی ترکیبیں بتانے والا سب سے بڑا اتحادی ملک ہے۔ اب یہ جاننے کے لیے کسی کا بے انتہا ذہین اور فہیم ہونا ضروری نہیں ہے کہ دلی کے صحافی محمد احمد کاظمی اور دو دن پہلے تین ایرانیوں کی گرفتاری اسی ’دہشت گردی کے توڑ‘ کی ترکیب کا نتیجہ تھی۔ عام حالات میں امریکہ کی دھمکی اور اسرائیل کی خفگی بہت بامعنی سمجھی جاتی، لیکن اب پل کے نیچے سے کافی پانی بہہ چکا ہے۔ ہندوستان آج ویسا مسکین اور محتاج ملک نہیں رہا، جیسا کچھ عرصہ پہلے تک سمجھا جاتا تھا۔ دوسرے ہندوستان میں امریکہ پرست میڈیا کے پنڈتوں کے علاوہ باقی حلقوں میں یہ سمجھا جانے لگا ہے کہ ہم اپنی سرحدوں پر ایسے ممالک کی تعداد میں اضافہ نہیں کرسکتے جو ہم سے حسد یا عداوت رکھتے ہوں۔ چنانچہ یہ شاید پہلی بار ہوا ہے کہ واشنگٹن میں مقیم ہندوستانی سفیر نے امریکن جیوش کمیٹی کو بہت سخت خط لکھتے ہوئے، اس پر ہندوستان کی خارجہ پالیسی کو توڑ مروڑ کر پیش کرنے کا الزام لگایا ہے۔ امریکہ اور اسرائیل کی ان گیدڑ بھبکیوں کا مقصد ایران سے براہِ پاکستان ہندوستان تک گیس لائن بچھانے کے پروجیکٹ کو سبوتاژ کرنا ہے، لیکن حکومت ہند اگر ملکی مفاد کو اوّلیت اور ترجیح دیتی ہے تو اسے آج نہیں تو کل اس پائپ لائن کے تصور کو حقیقی شکل دینا ہی پڑے گی۔ امریکہ اور اسرائیل کی خوشی ناخوشی ہندوستان کے مفادات سے زیادہ برتر نہیں ہے۔ ◻◻

☆ ای میل: edit2sahara@gmail.com

(بشکریہ روزنامہ راشٹریہ سہارا، نئی دہلی، 17 مارچ 2012)

سعید حمید ☆

بے گناہوں پر غلط الزام کیوں؟

نئی دہلی میں اسرائیلی سفارت کار پر ناکام حملہ اور دنیا کے کئی دیگر ممالک میں بظاہر اسرائیل کے خلاف بیوقوفی کی حرکت، بے تکی وارداتیں، جنھیں دہشت گردی کا نام دیا جارہا ہے۔ کیا یہ ایران کے خلاف حملے کا جواز پیدا کرنے کے لیے موساد اور اسرائیلی اِنٹلی جنس کی فرضی پرچم کارروائی (False Flag Operation) ہے؟ اگر یہ بات درست ہے تو کیا اس میں دہلی پولیس کا اسپیشل سیل بھی شامل ہے؟ اسرائیلی سفارت خانے کی کار پر مقناطیسی (Magnet) بم سے حملہ اور اس سے ہونے والے قدرے معمولی سے نقصان کے نتیجے میں دہلی پولیس کے اسپیشل سیل نے جو کارروائی کی ہے، وہ اسی طرح کی ہے جس طرح بٹلہ ہاؤس میں بے گناہ مسلم نوجوانوں کو فرض انکاؤنٹر میں قتل کردیا گیا اور پھر اعظم گڑھ کے ان معصوم و بے گناہ مسلم نوجوانوں کو انڈین مجاہدین کا آتنک وادی قرار دے گیا گیا، جس کا دہشت گردی سے کوئی واسطہ ہی نہیں تھا۔

بٹلہ ہاؤس انکاؤنٹر کے بارے میں پولیس اور سرکار آج تک یہ کہہ رہی ہے کہ یہ انکاؤنٹر فرضی نہیں تھا، اس انکاؤنٹر میں جو نوجوان مارے گئے، وہ دہشت گرد تھے اور جو فرار ہوئے وہ بھی دہشت گرد تھے۔ اور دہلی پولیس کے پاس اس کے ٹھوس ثبوت موجود ہیں، لیکن دہلی پولیس اور اسپیشل سیل عدالتی کارروائی کا سامنا کرنے سے خوف زدہ کیوں ہے؟ اس نے کیوں سیکورٹی اور قومی مفادات کے نام پر مرکزی حکومت کی پیٹھ کے پیچھے پناہ لے رکھی ہے؟

نئی دہلی میں اسرائیلی سفارت خانے کی کار پر بم حملہ کیس بھی دہلی کے اسپیشل پولیس سیل کے حوالے کیا گیا۔ کیوں؟ اگر یہ ایک دہشت گردانہ کارروائی تھی تو پھر این آئی اے کس لیے بنائی گئی ہے؟ این آئی اے نے یہ معاملہ کیوں اپنے ہاتھ میں نہیں لیا، جبکہ 13 رفروری کو نئی دہلی کے علاوہ دنیا کے مزید کئی شہروں میں ایسے حملے ہوئے اور اسرائیل نے ایران، ایران کا شور مچایا۔ ان حملوں کو ایک بین الاقوامی دہشت گردانہ حملہ قرار دیا، لہٰذا نئی دہلی کا یہ واقعہ نہایت ہی حساس تھا۔ ایک طرف اسرائیل جس سے ہمارا ملک سالانہ دس ہزار کروڑ روپوں کے ہتھیار خرید رہا ہے، دوسری جانب ایران جس سے ہمارا ملک پچاس ہزار کروڑ روپوں کا خام تیل خرید رہا ہے۔ 13 رفروری کو نئی دہلی میں اسرائیل سفارت خانے کی کار پر مقناطیس (Magnet) بم نصب کیا گیا، اس طرح کا بم ہمارے ملک میں آج تک کسی نے استعمال نہیں کیا۔ واقعی یہ حرکت کسی غیر ملکی انٹلی جنس ایجنسی کی ہوسکتی تھی، لیکن کیا ضروری ہے کہ یہ حرکت ایران انٹلی جنس کی ہو؟ یہ حرکت اسرائیلی انٹلی جنس (موساد اور شین بنت) کی بھی ہوسکتی تھی، اس لیے نئی دہلی کے اس واقعہ کی تحقیقات کھلے ذہن سے کی جانی چاہیے تھی۔ غیر جانبدارانہ طور پر کی جانی چاہیے تھی، لیکن دہلی پولیس کا اسپیشل سیل جو صرف بٹلہ ہاؤس نہیں بلکہ انسل پلازہ سمیت کئی فرض انکاؤنٹر معاملہ میں بدنام ہے، اس کا رویہ خاص طور پر مسلمانوں کے تعلق سے درست نہیں ہے اور ماضی میں اس نے بے گناہ مسلمانوں کو دہشت گرد ثابت کرنے کی حرکتیں کی ہیں، اس لیے 13 رفروری 2012ء کو نئی دہلی میں ہونے والے اس دہشت گردانہ حملہ کی تحقیقات فوری طور پر این آئی اے کے حوالے کی جانی چاہیے تھی۔ اس اہم اور حساس تحقیقات کو دہلی پولیس کے اسپیشل سیل کے حوالے کیا ہی نہیں جانا چاہیے تھا، لیکن یہ احساس دن بہ دن پختہ ہوتا چلا جارہا ہے کہ ہندوی صہیونی (Indy Zionist) لابی دہلی اسپیشل پولیس سیل کو اپنا آلۂ کار بنا کر اپنا کھیل کھیل رہی ہے۔ اس طرح کی ایک سازش کا نشانہ ہندی مسلمانوں میں سرگرم وہ سیاست داں، دانشور، علماء قائدین، صنعت کار، مذہبی قائدین اور مذہبی ادارے ہیں، جو صہیونی (Zionist) اور ہندوی صہیونی (Indy Zionist) کی سازشوں کو ناکام بنانے اور انھیں بے نقاب کرنے کے لیے سرگرم ہیں۔

اگر یہ کہا جائے کہ دہلی کے ایک سرگرم، معروف اور جرأت مند صحافی سیّد محمد کاظمی کی گرفتاری بھی اسی طرح کا ایک گمراہ کن آپریشن ہے، جس طرح مالیگاؤں میں ستمبر 2006 میں ہونے والے چار بم دھماکوں کے الزام میں ایک درجن بے گناہ مسلمان جیلوں میں ٹھونس دیئے گئے، جس مہاراشٹر اے ٹی ایس نے مالیگاؤں کے بڑا قبرستان اور حمدیہ مسجد احاطے میں ہونے والے چار بم دھماکوں کے لیے مالیگاؤں کے بے گناہ مسلمانوں کو یکے بعد دیگرے اٹھانا شروع کیا تب مالیگاؤں ہی نہیں، بلکہ پورے مہاراشٹر کے مسلمانوں نے چیخ چیخ کر کہا تھا کہ مالیگاؤں بم دھماکہ کے حقیقی مجرم یہ بے

باقی صفحہ 51 پر

☆ ای میل: saeedhameed@yahoo.com

اہم خبریں

افکارغزالی پر یک روزہ نیشنل سیمینار اور ''الاحسان-۳'' کا اجرا

15 مارچ بروز جمعرات خانقاہ عارفیہ، سید سراواں، الہ آباد، میں شاہ صفی میموریل ٹرسٹ کے زیر اہتمام یک روزہ نیشنل سیمینار 'افکار غزالی: تفہیم اور عصری معنویت' کے موضوع پر منعقد ہوا جس میں مختلف یونیورسٹیز کے محققین اور اسکالرز نے شرکت کی۔ شاہ صفی میموریل ٹرسٹ کے سربراہ داعی اسلام شیخ ابوسعید شاہ احسان اللہ محمدی صفوی نے اس نیشنل سیمینار کی سرپرستی کی جب کہ صدارت کی ذمہ داری مولانا یٰسین اختر مصباحی بانی و مہتمم دارالقلم، نئی دہلی نے ادا کی، اور مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی کے شعبۂ عربی کے استاذ ڈاکٹر سید علیم اشرف جائسی نے افتتاحی کلمات پیش کئے۔ ان کے علاوہ اردو کے معروف صحافی محترم احمد جاوید، مولانا ضیاء الرحمٰن علیمی ریسرچ اسکالر جواہر لال نہرو یونیورسٹی، دہلی، ڈاکٹر نوشاد عالم چشتی ریسرچ اسکالر جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی، مولانا رفعت رضا نوری ریسرچ اسکالر دہلی یونیورسٹی دہلی، مولانا ارشاد عالم نعمانی ریسرچ اسکالر جامعہ ہمدرد، مولانا ذیشان احمد مصباحی مدیر ماہنامہ 'جام نور' و استاذ جامعہ حضرت نظام الدین اولیا ذاکر نگر، نئی دہلی اور دیگر مقالہ نگار حضرات نے مذکورہ موضوع کے مختلف گوشوں پر اپنے وقیع مقالات پیش کیے، جبکہ سیمینار کی نظامت مولانا عارف اقبال مصباحی نے فرمائی۔ ڈاکٹر سید علیم اشرف جائسی نے اپنے افتتاحی کلمات میں تصوف کے حوالے سے بڑے قیمتی اور معلوماتی بیان دیتے ہوئے فرمایا: کہ آج جب کہ دنیا جسمانی ضرورتوں کو پورا کرنے والی تمام تر سہولیات کے دریافت با وجود روحانی سکون کے لئے تڑپ رہی ہے، ایسے میں صوفیہ کی ذمہ داری ہے کہ وہ روحانی سکون کے متلاشیان کی ضرورت پوری کرنے کے لئے تصوف حقیقی کو عام کرنے کی کوشش کریں۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ امام غزالی کے افکار و نظریات کی معنویت جس قدر ان کے عہد میں تھی، اسی طرح یا اس سے بڑھ کر آج کے دور میں ہے۔ لہٰذا آج کے دور میں تصوف پر کام کرنے والوں کے لئے ان کے افکار و نظریات کو اپنانا نہایت ناگزیر ہے۔ مولانا ضیاء الرحمٰن علیمی نے امام غزالی کے حوالے سے فقہ و اجتہاد کے موضوع پر اپنے مقالے کا خلاصہ پیش کرتے ہوئے کہا: کہ کسی بھی مفتی اور مجتہد کے لئے قرآن و سنت اور اجماع کا علم بے حد ضروری ہے اس کے بغیر کوئی بھی شخص مفتی نہیں ہوسکتا، اسی طرح مفتی اور عالم کو یہ جاننا بھی ضروری ہے کہ وہ کیا کیا نہیں جانتا اور اس کو اپنے علم و جہل کا تمیز بھی ہو۔ مولانا ذیشان احمد مصباحی نے کہا: کہ آج مسئلہ تکفیر پر امام غزالی کی کتاب 'التفرقہ بین الاسلام والزندقہ' کا غیر متعصّبانہ مطالعہ دور حاضر کی ہماری بہت سی الجھنوں کا صحیح حل ہے۔ اخیر میں ڈاکٹر نوشاد عالم چشتی (علیگ) اور سینئر صحافی جناب احمد جاوید نے سیمینار میں پڑھے گئے مقالات پر تنقیدی تبصروں سے سامعین کو نوازا۔ سیمینار کے صدر مولانا یٰسین اختر مصباحی نے کہا کہ: عصر حاضر میں امام غزالی کے افکار کی ترویج و اشاعت کی ضرورت ہے، اس خصوص میں اس طرح کے قومی اور بین الاقوامی سیمیناروں کا انعقاد از حد معاون و مددگار ہے۔ اس موقع پر شاہ صفی اکیڈمی جامعہ عارفیہ کے زیر اہتمام شائع ہونے والے سالنامے، تصوف پر دعوتی اور تحقیقی رسالہ کتابی سلسلہ ''الاحسان'' الہ آباد کے تیسرے شمارے اور ماہنامہ خضر راہ دہلی کی علما اور دانشوروں کے ہاتھوں رونمائی کا پروگرام بھی عمل میں آیا۔ اخیر میں صلاۃ وسلام اور داعی اسلام شیخ ابوسعید شاہ احسان اللہ محمدی صفوی مدظلہ العالی کی دعا پر سیمینار کا اختتام ہوا۔

طلبہ جامعہ عارفیہ کے مابین انعامی مقابلہ

۱۴/مارچ کی شب کو جامعہ عارفیہ (سید سراواں، الہ آباد) میں سالانہ تعلیمی مسابقہ بنام ''جشن یوم غزالی'' اختتام پذیر ہوا۔ جس میں سو سے زائد طلبۂ جامعہ عارفیہ نے حفظ قرآن وحدیث، اردو، عربی اور انگریزی کے تحریری وتقریری مقابلوں میں شرکت کی، یہ پروگرام طلبہ جامعہ عارفیہ کی مشترکہ تنظیم جمعیة الطلبة کے زیر اہتمام پچھلے پانچ سالوں سے منعقد کیا جارہا ہے۔ تین روزہ یہ تحریری وتقریری مسابقہ کئی نشستوں پر مشتمل تھا۔ پہلے دن: حفظ قرآن اور تجوید قرآن کا مسابقہ ہوا، جس میں ۵۳/طلبہ نے شرکت کی جن میں سے مندرجہ ذیل طلبہ نے بالترتیب پہلی، دوسری اور تیسری پوزیشن حاصل کی (حفظ قرآن) ۱۔محمد اشہد ۲۔غلام خواجہ ۳۔حمید الرحمٰن وعبداللہ، (تجوید قرآن) ۱۔محمد اکرام ۲۔محمد شہود ۳۔اویس رضا، مولانا اشتیاق عالم مصباحی اور مولانا فخرالزماں سعیدی نے فیصل کے فرائض انجام دیئے۔ دوسرے دن صبح کی نشست حفظ حدیث اور شام کی نشست عربی، انگریزی تقریری مقابلوں پر مشتمل تھی. حفظ حدیث میں ۵۷/طلبہ جب کہ انگریزی، عربی تقریری مقابلوں میں ۵۸/طلبہ نے شرکت کی جن میں سے مندرجہ ذیل طلبہ نے بالترتیب پوزیشن حاصل کی (حفظ حدیث) گروپ (الف) ۱۔ مدثر نظر ۲۔سہیل احمد ۳۔علی انور، (ب) ۱۔رضوان عارف ۲۔مقصود عالم ۳۔محمد سلمان، مولانا کتاب الدین رضوی، مولانا غلام مصطفٰے ازہری، نے فیصل کی ذمہ داری ادا کی۔ انگریزی تقریر (الف) ۱۔محمد اسرار ۲۔مغیث انجم ۳۔محمد جنید، (ب) ۱۔جنید احمد ۲۔عبداللہ ۳۔سید اسرار، مولانا ضیاء الرحمٰن علیمی اور ماسٹر زبیر احمد خان فیصل تھے۔ عربی تقریر (الف) ۱۔انجم راہی ۲۔سید اسرار ۳۔حسن اقبال (ب) ۱۔فیض العزیز ۲۔مقصود عالم ۳۔محمد توصیف، مولانا شاہد رضا ازہری، مولانا ضیاء الرحمٰن علیمی نے جج ہونے کا حق ادا کیا۔ تیسرے دن پہلی نشست میں طلبۂ جامعہ نے اردو تقریری مظاہرہ کیا جس میں گروپ (الف) کے ۱۔عمران قادری ۲۔ رضوان احمد ۳۔محمد شاہد، اور گروپ (ب) کے ۱۔محمد سلمان ۲۔فیض العزیز ۳۔دانش بقائی، نے بالترتیب پوزیشن حاصل کی۔ اس نشست میں فیصل کے فرائض مولانا رفعت رضا نوری اور مولانا مجیب الرحمٰن علیمی نے انجام دیے

۔تحریری مقابلہ گروپ (الف) ۱۔محمد عاصم ۲۔کلیم رضا ۳۔راشد برکاتی (ب) ۱۔محمد مشفق ۲۔محبوب انصاری ۳۔ مستحسن اقبال (ج) ۱۔محمد طارق رضا ۲۔صدام رضوی ۳۔رضوان عارف ، مذکورہ طلبہ نے اپنی تحریری صلاحیتوں کی بنیاد پر ترتیب وار پوزیشن حاصل کی ۔آخری نشست میں مختلف مقابلہ جات میں پہلی پوزیشن حاصل کرنے والے طلبہ نے اپنے علم وفن کا مظاہرہ کیا اور تمام مقابلوں میں پہلی ، دوسری اور تیسری پوزیشن حاصل کرنے والے طلبہ، شیخ طریقت داعی اسلام شیخ ابوسعید شاہ احسان اللہ محمدی صفوی کے دست مبارک سے سرٹیفکٹ اور انعام سے سرفراز کئے گئے ۔ پروگرام کے اخیر میں جمعیۃ الطلبۃ کے نگراں مولانا مقصود احمد سعیدی ،استاد جامعہ عارفیہ نے اپنے طلبہ کو مبارک بادی دیتے ہوئے جامعہ کے اساتذہ اور خدام کا شکریہ ادا کیا۔اس طرح تین روزہ یہ مقابلہ جامعہ کے بانی اور خانقاہ عارفیہ کے صاحب سجادہ داعی اسلام شیخ ابوسعید شاہ احسان اللہ محمدی صفوی مدظلہ العالی کی سرپرستی میں کامیابی کے ساتھ اختتام پذیر ہوا۔(رپورٹ: محمد طارق رضا)

بھاگلپور میں 384واں عرس سراپا قدس مخدوم شہباز محمد وجشن دستار بندی

سلطان العارفین مخدوم شہباز محمد قدس سرہٗ کا سالانہ عرس قراپا قدس بتاریخ 15، 16، 17صفر المظفر 1433ھ مطابق 10، 11، 12جنوری 2012ء بروز منگل، بدھ، جمعرات انتہائی تزک و احتشام کے ساتھ منایا گیا۔عرس کی تقریب کا آغاز 10 جنوری 2012ء بعد نماز مغرب حضرت مولانا ابوالخیر سید شاہ محمد انتخاب عالم شہبازی مدظلہٗ العالی متولی وسجادہ نشین خانقاہ عالیہ شہبازیہ کے مقدس ہاتھوں سے رسم پرچم کشائی کے ذریعہ کیا گیا۔اس موقع پر مریدین ومعتقدین اور متوسلین وزائرین کی ایک بڑی تعداد کے ساتھ جملہ شہزادگانِ خانوادہ شہبازیہ بھی موجود تھے۔صاحب سجادہ کی رقت آمیز دعا پر اس تقریب کا اختتام ہوا۔بعد نماز عشا مجلس قرآن خوانی منعقد ہوئی اور حضور سلطان العارفین کی بارگاہ میں فاتحہ خوانی ہوئی، بعدہٗ حضرت سید شاہ عاسل شہبازی علیہ الرحمہ والرضوان کے مزار پر چادر پوشی کی گئی اور فاتحہ خوانی ہوئی۔۳۰:۱۰ بجے شب جشن سلطان العارفین وانعامی مقابلہ کا انعقاد ہوا جس میں جامعہ شہبازیہ کے طلبہ کے درمیان سیرت کوئز کا مقابلہ عمل میں آیا۔حضور صاحب سجادہ نے ہر کامیاب ہونے والے طالب علم کو اپنے مقدس ہاتھوں سے انعام سے نوازا۔اس سیرت کوئز میں خانقاہ شہبازیہ کے مریدین ومعتقدین کا بھی ایک گروپ تھا، جن سے اسلامی تاریخ، سیاسی وعصری سوالات کیے گئے اور وہ بھی جوابات دے کر حضور صاحب سجادہ کے ہاتھوں انعامات سے نوازے گئے۔اس جشن کا اختتام رات 2 بجے صلوٰۃ وسلام پر ہوا۔حضور صاحب سجادہ نے دعا فرمائی۔

11فروری 2012ء بروز بدھ 10:30 بجے رات حضور صاحب سجادہ مدظلہٗ العالی کی قیادت میں ہندوستان کے جلیل القدر علمائے کرام، مشائخ عظام اور شعرا و عقیدت مندوں کے ہجوم میں قل شریف اور چادر پوشی کی رسم ادا کی گئی۔پھر جلسہ کا آغاز قاری ابوالکلام اشرفی صاحب مدرس شعبۂ حفظ جامعہ شہبازیہ کی قرأت سے ہوا۔بارگاہ رسالت میں نذرانۂ عقیدت پیش کرنے کے بعد خطیب اعظم ہند ابوالفرح حضرت علامہ مولانا سید شاہ محمد اشتیاق عالم ضیا شہبازی علیہ الرحمہ کی دسویں وآخری پیشکش 'اشتیاق درود' نامی کتاب کی رسم اجرا کی تقریب سراج المشائخ حضرت مولانا الحاج سید شاہ اسرار حسین رضوی المدنی صاحب سجادہ نشین آستانہ عالیہ رضویہ مغل پورہ، حیدرآباد دکن، آندھرا پردیش کے ہاتھوں حضور صاحب سجادہ خانوادۂ شہبازیہ کی موجودگی میں انجام پائی۔

اس موقع پر جامعہ شہبازیہ سے حفظ قرآن کی تکمیل کرنے والے 14 طلبہ کو دستارِ حفظ سے نوازا گیا۔طلبہ کی دستار بندی میں حضور صاحب سجادہ کے علاوہ حیدرآباد سے آئے مہمانِ خصوصی اور مقرر خصوصی وغیرہ نے بھی اپنے مبارک ہاتھوں سے دستار باندھ کر سند حفظ سے نوازا۔اس موقع پر مہمانِ خصوصی حضرت مولانا سید شاہ اسرار حسین رضوی المدنی صاحب نے اپنے مختصر سے خطاب میں درودِ پاک کی فضیلت، اہمیت، افادیت پر پرمغز خطاب کیا۔ان کے علاوہ خصوصی مقرر مولانا محمد فصیح الدین نظامی صاحب نے نسبت کی اہمیت اور اس کی ضرورت پر بھرپور خطاب کیا۔آخر میں صلوٰۃ وسلام کے بعد حضور صاحبِ سجادہ کی رقت آمیز دعا پر پروگرام کا اختتام ہوا۔

عرس کے تینوں دن خانقاہ عالیہ شہبازیہ میں لنگر کا بہترین انتظام کیا گیا تھا جس میں حاضر ہو کر ہر شخص نے شکم سیر ہو کر تبرک تناول کیا۔لنگر خانہ کی نگرانی نائب سجادہ نشین حضرت سید شاہ محمد شاندار عالم شہبازی صاحب کر رہے تھے اور اپنے حسن انتظام سے ہر کام کو بحسن وخوبی انجام دیا۔

12 جنوری 2012ء بروز جمعرات بعد نماز مغرب اندرون شاہجہانی مسجد قرآن خوانی کا اہتمام کیا گیا اور بعد نماز عشا حضور سلطان العارفین کے روضۂ مبارک پر حاضر ہو کر آخری قل پڑھا گیا۔حضور صاحبِ سجادہ نے دعا فرمائی۔10 بجے شب خانقاہ عالیہ میں محفلِ سماع کا انعقاد کیا گیا، جس کے لیے ہندوستان کے مشہور خانقاہی قوال محمد شاہد نیازی اور اس کے ہمنوا اور دوسرے خانقاہی قوال محمد انیس اور محمد منور وغیرہ حاضر ہوئے۔محفلِ سماع صبح 5 بجے تک انتہائی روحانیت کے عالم میں چلتی رہی۔ بعدہٗ فاتحہ خوانی ہوئی اور سامعین حضرات کو شربت پیش کیا گیا اور اس طرح یہ تین روزہ تقریب اختتام پذیر ہوئی۔(رپورٹ: شعبۂ نشر واشاعت جامعہ شہبازیہ، ملاک شریف، بھاگلپور)

خانقاہِ قادریہ ایوبیہ رضانگر پپراکنک کے زیر اہتمام ''سوادِ اعظم اہلِ سنت کانفرنس'' کا انعقاد

27مارچ 2012ء بروز منگل رضانگر پپراکنک میں خانقاہِ قادریہ ایوبیہ کے زیر اہتمام یک روزہ ''سوادِ اعظم اہل سنت کانفرنس'' اور سالانہ عرسِ قادری ایوبی کی تقریبات روایتی تزک واحتشام کے ساتھ منعقد ہوئیں جس میں ملک وملت کے مشاہیر علما ومشائخ اہل سنت اور اصحابِ فکر وقلم وشعرا نے شرکت کی۔ بعد نمازِ عشا قاری مختار احمد قادری کی تلاوت قرآن سے اجلاس کا آغاز ہوا۔قاری محمد علی، قاری فیض الرحمٰن اور قمر رضا برکاتی نے نعت ومناقب پیش کیے۔مولانا محمد شمس الدین مصباحی نے شانِ ولایت پر مختصر تعارفی خطاب کیا۔دارالقلم دہلی سے تشریف لائے مولانا محمد ارشاد عالم نعمانی نے خطبہ استقبالیہ پیش کیا۔انھوں نے افتتاحی خطاب میں

’’سوادِاعظم اہل سنت‘‘ کی مختصر تاریخ اوراس موضوع پر کانفرنس کے انعقاد کا مقصد بیان کیا، ساتھ ہی خانقاہِ قادریہ ایوبیہ کی تعمیری، تعلیمی اور تحریکی کارکردگی پر بھرپور روشنی ڈالی۔ دارالعلوم علیمیہ جمداشاہی کے استاد مولانا محبّ احمد علیمی اور صدرالمدرسین مولانا فروغ احمد اعظمی مصباحی، الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور کے پرنسپل مولانا محمد احمد اعظمی مصباحی اور جامعہ اشرفیہ کے صدر مفتی محمد نظام الدین رضوی نے ’اُنیسویں صدی میں علمائے اہل سنت کی دینی وعلمی خدمات‘ کے موضوع پر معلوماتی خطاب کیے۔ پھر صدرِ اجلاس مولانا یٰسین اختر مصباحی بانی وصدر دارالقلم دہلی نے صدارتی خطبہ پیش کیا۔ مفتی نظام الدین رضوی سے مختلف موضوعات پر سوالات کیے گئے جن کے تشفی بخش جواب انھوں نے دیے۔ کانفرنس کی نظامت مولانا محمد ظفرالدین برکاتی مدیر مسئول ماہنامہ ’کنزل الایمان‘ دہلی نے کی۔ اخیر میں صاحبِ سجادہ قاری محمد سبطین رضا قادری ایوبی نے علما اور عوام کا کانفرنس میں شرکت وتعاون پر شکریہ ادا کیا اور خانقاہ کی جانب سے اپنی آنے والی پیش رفت اور عزائم ومنصوبے سے آگاہ کیا۔ صلوٰۃ وسلام اور مولانا محمد احمد اعظمی مصباحی کی دعا پر محفل کا اختتام ہوا۔

(رپورٹ: محمد کونین رضا قادری ایوبی)

انجمن ثنائیہ دارالیتامیٰ ایجوکیشنل ٹرسٹ، میراروڈ کے زیراہتمام
امام احمد رضا فکروتدبر کانفرنس کا انعقاد

انجمن ثنائیہ دارالیتامیٰ ایجوکیشنل ٹرسٹ وافکار اہل سنت اکیڈمی میراروڈ، ممبئ کے زیراہتمام امام احمد رضا فکر وتدبیر کانفرنس 17 مارچ 2012ء کو منعقد ہوئی۔ کانفرنس کا آغاز تلاوت کلام اللہ اور حمد ونعت سے ہوا۔ مقالہ نگاروں نے یکے بعد دیگرے مقالات پیش کیے۔ ’عصر جدید کے مسائل کا حل فکر رضا میں‘ کے زیرعنوان مولانا صابر رضا رہبر مصباحی (ریذیڈنٹ ایڈیٹر ڈیلی سنگم پٹنہ) نے پیش کرتے ہوئے پیغام دیا کہ موجودہ دور کا اہم مسئلہ معاش وروزگار ہے، ۱۹۱۲ء میں امام احمد رضا نے اسلامی معیشت کے استحکام کا جونظریہ ’تدبیر فلاح ونجات واصلاح‘ کے نام سے پیش فرمایا اس میں مذکور 4 نکات آج بھی اپنا لیے جائیں تو بلاسودی طرز پر مسلم معیشت ترقی کے مدارج طے کرسکتی ہے۔ مالیگاؤں کے اسکالر وقلم کار غلام مصطفیٰ رضوی نے ’جدید نظام تعلیم اور فکر رضا‘ کے عنوان سے مقالہ خوانی کی اور کہا کہ: ایسے دور میں جب کہ قرآن مقدس سے دور کر کے الحاد وبے دینی اور دہریت پھیلانے کے لیے جدید نظام تعلیم میں اسلام مخالف نظریات شامل کیے گئے امام احمد رضا نے قرآنی احکام کی پاس داری کے ساتھ تعلیم وتعلّم کا نظریہ پیش کیا۔ فتاویٰ رضویہ میں آپ کے تعلیمی نظریات مطالعہ کر کے قومی تعلیمی ترقی کے لیے لائحۂ عمل مرتب کرنا چاہیے۔ صدر بزم مفتی علاؤالدین رضوی کا عنوان ’فکر رضا کی بہاریں‘‘ تھا۔ موصوف نے کہا کہ امام احمد رضا نے شریعت کی روشنی میں تصوف کی وضاحت کی جس کے نتیجے میں گمراہ متصوفانہ نظریات بے نقاب ہوئے۔

مولانا ارشاد عالم نعمانی دہلی نے ’مفتی آل مصطفیٰ مصباحی کی فقہی بصیرت‘ کے عنوان سے مقالہ پیش کیا۔ آپ نے کہا مسند افتا سے مفتی آل مصطفیٰ مصباحی نے اسلامیان ہند کی بروقت رہنمائی کی، سیکڑوں شاگرد تیار کیے، علمی اور تحقیقی مقالات لکھ کر فقہی رہنمائی کی۔ عتیق الرحمٰن رضوی (مدیر؛ سالنامہ ’اہل سنت‘ میراروڈ) نے ’تصنیفِ رضا الدولۃ المکیہ پر علمائے شام کے تاثرات‘ کے زیرعنوان مقالہ پیش کیا اور بتایا کہ اکابر علمائے شام امام احمد رضا کے علم وفضل کے مداح تھے۔ کلیدی خطاب مفتی آل مصطفیٰ نے فرمایا۔ اس موقع پر مفتی آل مصطفیٰ مصباحی کی فقہی خدمات کے اعتراف میں انجمن کی جانب سے حضرت مولانا سید علی احمد صاحب کے ہاتھوں ’فقیہ اہلسنّت‘ ایوارڈ اور سپاس نامہ پیش کیا گیا۔ اسی پروگرام میں مفتی آل مصطفیٰ مصباحی اور مولانا سید علی احمد نے افکار اہل سنت اکیڈمی کے پہلا سالانہ مجلّہ ’اہلسنّت‘ کی رونمائی کی جو تین سو صفحات پر مشتمل ہے۔ مظفر حسین (سابق MLC) میراروڈ نے اپنے تاثرات میں کہا کہ اسلام نے زکوٰۃ کا جو نظام بنایا صحیح طریقے سے مسلمان عمل کرلے تو دنیا میں کوئی مسلمان مفلوک الحال نہ رہے گا۔ صلوٰۃ وسلام اور حضرت مولانا سید علی احمد کی دعا پر کانفرنس کا اختتام ہوا۔ اخیر میں حاضرین نے نیاز سے استفادہ کیا۔ کانفرنس میں میراروڈ، ممبئ اور اطراف کی دینی علمی شخصیات، ائمہ، علما، شعرا نے بڑی تعداد میں شرکت کی۔

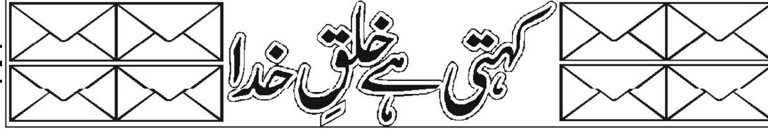
(رپورٹ: محمد ضیاء المصطفیٰ التحسینی، میراروڈ)

دفتر ماہِ نور میں مجلسِ تعزیت

سید خالد اشرف (صاحبزادۂ اکبر اشرف العلما حضرت سید حامد اشرف علیہ الرحمہ) کی اہلیہ محترمہ زبیدہ خاتون کا طویل علالت کے بعد 23 مارچ صبح ساڑھے پانچ بجے ممبئ میں انتقال ہوگیا۔ ان کے وصال پر ایک تعزیتی نشست دفتر ماہِ نور میں منعقد کی گئی، جس میں مرحومہ کے نیک اوصاف وخصائص کے ذکر کے ساتھ بارگاہِ رب کریم میں ان کی مغفرت اور بلندیِ درجات کے لیے دعا کی گئی۔

ماہِ نور کے مدیر اعلیٰ مفسر قرآن حضرت مولانا سید ابوالحسن اشرفی نے فون پر اپنے تعزیتی کلمات کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ مرحومہ نہایت نیک سیرت اور پابندِ صوم وصلوٰۃ خاتون تھیں، بچوں پر شفقت اور حسنِ تربیت مرحومہ کا امتیازی وصف تھا۔ اللہ تعالیٰ مرحومہ کو نیک اعمال کے صدقہ میں جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے اور پسماندگان خصوصاً بھائی مولانا خالد اشرف میاں کو صبرِ جمیل کی توفیق مرحمت فرمائے۔

تعزیتی نشست میں ماہِ نور کے مدیر اعزازی ڈاکٹر نوشاد عالم چشتی خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہیں۔ ان کے علاوہ ارشاد عالم نعمانی وضیاء الحق بھی شریک رہے۔



محترم ومکرم ڈاکٹر نوشاد عالم چشتی صاحب!

'ماہِ نور' مارچ 2012 کا شمارہ 23 فروری کوموصول ہوا۔ آپ کی ادارت میں رسالہ خوب تر کی طرف گامزن ہے۔ اداریہ کا بغور مطالعہ کیا۔ آپ نے یوپی کے مسلمانوں کو بروقت جس مؤثر طریقہ سے بیدار کرنے کا احساس دلایا ہے وہ لائقِ تحسین ہے۔ ووٹ کی اہمیت آج کے تناظر میں بڑی اہمیت رکھتی ہے۔ اداریہ سے آپ کے بے باکانہ نقطۂ نظر کی وضاحت ہوتی ہے۔ فروری کے شمارہ کا اداریہ بھی چشم کشا تھا۔ اپنی مصروفیت کی بنا پر آپ کے رسالہ کو اپنے تاثرات نہیں بھیج سکا۔ آج وقت نکال کر چند سطور لکھ رہا ہوں۔

شعری اور نثری مشمولات کے انتخاب میں آپ کی پارکھی نظر کی داد دیتا ہوں۔ تازہ شمارہ میں مولانا شاہ عالم نظامی ازہری صاحب اور پروفیسر سید عبدالرحمٰن شاہ بخاری صاحب کا مضمون نہایت ہی مدلل اور معیاری ہے۔ راقم الحروف کی مناجات کو اس شمارہ میں آپ نے جگہ دی، اس کے لیے شکر گزار ہوں۔ مولانا محمد قاسم اشرفی صاحب کی نعت بہت پسند آئی، لیکن موصوف کے چوتھے شعر میں کمپوزنگ کی غلطی شاید سرزد ہوگئی ہے۔ شعر کے مصرع اولیٰ میں ''طنز میں کفار سے ابتر تمھیں جوں ہی کہا'' میں لفظ 'سے' کی جگہ 'نے' ہونا چاہیے۔ نیز رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس کے لیے آپ کے شایانِ شان اگر 'تمھیں' کی جگہ 'انھیں' کی ضمیر کا استعمال ہوتا تو میرے نزدیک افضل تر ہوتا۔ یعنی:

طنز میں کفار نے ابتر انھیں جوں ہی کہا
رب نے تسکیں کے لیے قرآن میں کوثر لکھ دیا

نہایت ہی بلیغ مضمون کو موصوف نے شعری تجسیم عطا کی ہے۔ دل کی گہرائیوں سے انھیں مبارکباد دیتا ہوں۔ موصوف کی نعت کا مقطع بھی ان کی خلّاقانہ قوت کا بہترین اشاریہ ہے۔ راقم الحروف کے نعتیہ مجموعہ 'سمعنا واطعنا' میں 103 نعت پاک ہیں۔ میں نے کسی بھی نعت میں صیغۂ واحد کا استعمال نہیں کیا ہے، ساتھ ہی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس کے لیے 'تم'، 'تیرا'، 'تجھے'، 'تمھیں'، 'تو' وغیرہ جیسے ضمائر سے بھی اجتناب کیا ہے۔ ہم تمام نعت گو شعرا (عاشقِ رسول) کے لیے یہ ضروری ہے کہ ہم مذکورہ ضمائر سے حتیٰ الامکان اجتناب کریں۔

راقم الحروف نے مولانا موصوف کے لیے 'انھیں' اور 'ان کی' کی جگہ 'اسے' اور 'اس کی' کا استعمال اس لیے نہیں کیا کہ یہ الفاظ موصوف کے شایانِ شان نہیں سمجھتا۔ ظاہر ہے ایسے میں ہم اپنے پیارے رسول جانِ کائنات کے لیے ہمیشہ بہتر سے بہتر ضمائر کا انتخاب کریں گے۔ مجھے امید ہے مولانا محمد قاسم اشرفی صاحب میرے خلوص کے لیے دعاؤں سے نوازیں گے۔

فرحت حسین خوشدلؔ
شعبۂ اُردو+۲ ضلع اسکول، ہزاری باغ-825301 (جھارکھنڈ)

عالی جناب نوشاد عالم چشتی صاحب، سلام ورحمت

عرض ایں کہ ماہ نامہ ماہ نور دہلی مجھے برابر موصول ہو رہا ہے حالانکہ ممبری فیس کب کی ختم ہو چکی ہے۔ اس شکریہ کے لیے میرے پاس الفاظ نہیں۔ فروری کا شمارہ بہت تاخیر سے باصرہ نواز ہوا سبھی مشمولات اچھے ہیں بالخصوص 'قرآن پاک ایک اجمالی تعارف'، 'جلوسِ محمدی کا مسئلہ' اور 'مسلم ریزرویشن ایک تاریخی فیصلہ' نے مجھے کافی متاثر کیا۔ ویسے دن بدن ماہنامہ کے اندر نکھار آتا جا رہا ہے جو آپ حضرات کے اخلاص کا ثمرہ ہے، چونکہ تاریخ کا ادنی طالب علم ہونے کی حیثیت سے آپ کے مضمون 'مغل سلطنت مختلف تناظر میں' کا بڑی دلچسپی سے مطالعہ کیا۔ عہد مغلیہ کا سیاسی نظام، زرعی نظام، مغل دور میں ادب وفنون لطائف، مغل دور کی صنعتیں، مغلوں کا فن تعمیر وغیرہ پر آپ نے مختصر مگر جامع بحث کی ہے۔

اگر برا نہ مانیں تو عرض کرتا چلوں کہ مغل سلطنت کے بطل عظیم اورنگ زیب عالم گیر علیہ الرحمہ کے تعلق سے اپنے مضمون میں آپ نے جو تاثر دینے کی کوشش فرمائی ہے وہ مجھے بالکل پسند نہ آیا۔ غیر مسلم متعصب مصنّفین نے تو اس پیکر خلوص و وفا، صوفی شخص پر جو ریمارکس کیے ہیں وہ آپ سے مخفی نہیں اگر آپ جیسے مفکر بھی ان ہی کی تحریروں سے متاثر ہو کر عامۃ المسلمین کو مغل سلطنت کے زوال کے اہم ستون اورنگ زیب اور ان (اورنگ زیب) کے خیال کے مطابق ''مصوری کی اسلام میں جگہ نہیں تھی، مگر اپنے بھائیوں کو قتل کیا اور باپ کو قید میں رکھا، شاید اسلام میں اس کی جگہ تھی'' جیسے تاثر دینے کی کوشش فرمائیں گے تو عام قاری ایک عجیب الجھن کا شکار ہو جائے گا، جو یقیناً لمحہ فکریہ ہے۔ چنانچہ آپ کی تحریر نے بادشاہ موصوف کو بھائیوں کا قاتل اور باپ کو قید کرنے کا مجرم ثابت کیا ہے جب کہ فتاویٰ ہندیہ کے مرتبین (شیخ نظام اور علمائے ہند کی ایک جماعت) نے مذکورہ کتاب کے مقدمہ میں آپ کو عادل کامل، زہد وورع اور تقوی کا حامل قرار دیا ہے اور چار پانچ سطروں میں آپ کے مناقب عالیہ اور اوصاف جمیلہ (محی الدین، امیر المومنین، رأس المجاہدین وغیرہ) کو بھاری بھرکم الفاظ میں بیان کیا ہے اب طرفین کے اقوال کی روشنی میں مجھ جیسا قاری عجب تذبذب کا شکار ہو جاتا ہے کہ الٰہی ماجرا کیا ہے کہ ایک ہی ذات کو ایک طرف عادل اور زہد وتقویٰ کا حامل کہا جا رہا ہے تو دوسری جانب اپنے بھائیوں کا قاتل اور باپ کا مجرم گردانا جا رہا ہے۔

حقیقت واقعہ یہ ہے کہ 1656ء میں شاہ جہاں جب سخت بیمار ہو گیا تو دارا

شکوہ نے جبراً حکومت پر قبضہ کرلیا اور بھائیوں کو باپ کی بیماری سے بے خبر رکھنے کی کوشش کی لیکن حقیقت سے آگاہ ہونے کے بعد تمام بھائیوں نے آگرہ کا قصد کیا تو بجائے صلح ومفاہمت کے داراشکوہ نے راجا جسونت سنگھ کو مراد اور عالم گیر کے مقابلہ کے لیے روانہ کردیا راجہ کو شکست ہوئی۔ شاہجہاں نے ہر ممکن کوشش کی کہ بھائیوں کے مابین صلح ہوجائے مگر داراشکوہ نے باپ کی ایک نہ سنی اور خود ایک لشکر جرار کے ساتھ مقابل ہوا اور شکست کھا کر بھاگ نکلا۔ اِدھر امرا کے بہکاوے میں آکر مراد نے بغاوت کی اس بدعہدی کی بنا پر اسے قید کرلیا گیا یہی نہیں شاہ جہاں اور داراشکوہ کے کہنے سے شہزادہ شجاع نے بھی علم بغاوت بلند کر دیا اور اٹاوہ کے پاس اورنگ زیب سے مد مقابل ہوا راجا جسونت نے بھی بغاوت میں اس کا ساتھ دیا (جب کہ اسے ایک بار معاف کیا جا چکا تھا) شجاع کو اورنگ زیب کے سپہ سالار میر جملہ نے مغلوب کیا شجاع بھاگ کر اراکان (برما) جانا چاہ رہا تھا کہ اراکان کے راجا سے لڑ کر مارا گیا۔ (نہ کہ اسے عالم گیر نے قتل کیا) اُدھر دارا کی ریشہ دوانیاں تھمنے کا نام نہیں لے رہی تھی، وہ ملتان سے سندھ پھر گجرات پہنچا، یہاں کے صوبہ دار کو بھی بغاوت پر آمادہ کیا، پھر اجمیر کے پاس شکست کھا کر کچھ پھر سندھ پہنچا جہاں ایک زمین دار نے گرفتار کر کے عالم گیر کے پاس بھیج دیا۔ اب ایسے خطرناک باغی ومفسد کے ساتھ کیا سلوک کیا جاسکتا تھا؟ آپ خوب سمجھ سکتے ہیں۔

عالم گیر نے شاہجہاں کو اپنی سلامتی اور حفاظت کی خاطر آگرہ کے قلعہ میں نظر بند کردیا تھا، جو ایک سیاسی مجبوری تھی (جسے سمجھنا دشوار نہیں۔)

''اورنگ زیب نے اسلام اور شریعت کی وجہ سے مصوری کی شاہی سر پرستی ختم کردی'' تو کیا برا کیا؟ کیا حدیث شریف میں مصوروں کے لیے دردناک عذاب کی وعید نہیں آئی ہے؟ اسلامی نقطہ نظر سے اگر مصوری گناہ ہے تو کیا اعانت علی الاثم گناہ نہیں؟ رہا موسیقی کا معاملہ تو یہ ایک معرکۃ الآرا بحث ہے جسے ذکر نہ کرنا ہی قرینۂ مصلحت سمجھتا ہوں۔

''مغل سلطنت کے زوال کے اہم ستون اورنگ زیب'' کے بارے میں یقیناً آپ کا مطالعہ مجھ جیسے طالب علم سے کافی وسیع ہوگا، مگر میرا محدود مطالعہ کہتا ہے کہ ''ہندوستان میں تاریخی زمانہ سے لے کر اس وقت تک کوئی ایسا بڑا بادشاہ نہیں گذرا جو حضرت عالم گیر کا ہم پلہ رہا ہو'' تقریباً پچاس برس متحدہ ہندوستان پر ان کی حکومت اور نوے برس کی لمبی زندگی ہی اس بات کی دلیل ہے کہ انھوں نے ساری عمر اعتدال سے گذاری، بلخ سے لے کر راس کماری تک اور کراچی (بحر عرب) سے آسام (چین کی سرحد) تک پھیلی ہوئی سلطنت کے فرماں روا کو زوال کا اہم ستون گردانا حقائق سے آنکھیں چرانا ہے جو بادشاہ اتنی وسیع سلطنت کا مالک ہوکر قرآن کی کتابت کر کے اور ٹوپیاں بُن کر اپنا گذر بسر کرے اسے اتنا بڑا الزام دینا میری سمجھ سے بالاتر ہے۔

خط ذرا طویل ہوگیا جس کے لیے معذرت خواہ ہوں، دعا ہے کہ مولیٰ تعالیٰ ہم سب کو مزید دین وملت کی خدمات کا وافر جذبہ عطا فرمائے۔ جملہ احباب مجلس ادارت خصوصاً مفسر قرآن سیدابوالحسن ازہری قبلہ کو سلام عرض ہے۔ والسلام

غیاث الدین احمد مصباحی

مدرسہ عربیہ سعید العلوم یکماڈپو لچھمی پور، مہراج گنج، یوپی،

ادارتی نوٹ

آپ کا خط ادارے کو موصول ہوا، لیکن مستند تاریخی حوالوں سے چونکہ یہ خط خالی ہے اور تاریخی حقائق کو ثابت کرنے کے لیے تاریخی دستاویزات کی روشنی ہی میں بات کی جانی چاہیے۔ ڈاکٹر نوشاد عالم چشتی صاحب فی الحال اپنے دو تین پروجیکٹ کے سلسلے میں مصروف ہیں اس لیے آپ نے جن باتوں کی جانب اشارہ کیا ہے وہ حقائق تاریخی دستاویزات کی روشنی میں آئندہ ان کے تفصیلی و تحقیقی مضمون میں ملاحظہ کریں۔ پروجیکٹ سے فراغت کے بعد موصوف اس جانب توجہ کرسکیں گے۔ سردست ڈاکٹر صاحب نے جو باتیں کہی ہیں اس کے تعلق سے ایک حوالہ ذیل میں ملاحظہ کریں اور اس کے آئینے میں اورنگ زیب کی شخصیت کا تجزیہ کریں۔ اورنگ زیب عالمگیر کے سکریٹری حمید الدین خاں صاحب نے اپنی کتاب 'احکام عالمگیری' میں اورنگ زیب کی بارہ وصیتوں کا ذکر کیا ہے۔ یہاں پہلی، دوسری اور پانچویں وصیتیں نقل کی جارہی ہیں:

''میری چند وصیتیں ہیں:

پہلی یہ کہ اس عاصی غرق معاصی کو پاک ومقدس تربتِ حسین علیہ السلام کی چادر میں لپیٹا اور کفنایا جائے، کیونکہ گناہوں کے سمندر میں غرق شدہ لوگوں کے لیے سوائے اس درگاہ سے التجا کے رحمت اور مغفرت نہیں ہے اور اس سعادتِ عظمیٰ کا سامان (یعنی چادر تربتِ مقدسہ ومطہرہ) فرزندار جمند بادشاہ زادہ عالی جاہ کے پاس ہے۔ اس سے لے لیا جائے۔

دوسری یہ کہ ٹوپیاں سینے کی (جو) مزدوری (میں نے جمع کی ہے) چار روپے دو آنے وہ آیہ بیگہ محل دار کے پاس ہیں، (اس سے) لے لیں اور اس بے چارہ (اورنگ زیب) کے کفن پر خرچ کریں اور قرآن (شریف) کی کتابت (سے جمع کیے ہوئے) تین سو پانچ روپے میرے صرفِ خاص میں ہیں، وفات کے دن فقراء کو دے دیے جائیں۔ وجہ یہ ہے کہ فرقۂ شیعہ کے نزدیک کتابتِ قرآن کی اُجرت میں ناجائز ہونے کا شبہ ہے (اس رقم کو) کفن دفن کی ضروریات میں صرف نہ کریں۔

پانچویں یہ کہ تابوت کے صندوق کے اوپر معمولی کھردرا سفید کپڑا جسے گزی کہتے ہیں ڈالیں اور شامیانہ (کی) مغنّیوں (کی) یا مولود کی بدعت سے احتراز کریں۔ (احکام عالمگیری، تصنیف حمید الدین خان، ترجمہ مولوی خالد حسن قادری، ناشر مکتبہ الحسنات، دہلی، ایڈیشن 2005، ص 42-43) (ادارہ)